# خطباتِ نقشبندیہ

حضرت الحاج صوفی عبدالمجید صاحب صدیقی نقشبندی مجددی

جامع مسجد جمال مصری شاہ
لاہور

حضرت خواجہ پیر عبدالمجید صاحب نقشبندی مجددی

جامع مسجد جمال — مصری شاہ لاہور

تعداد ——— ایک ہزار

مطبع ——— اردو ڈائجسٹ پریس لاہور

کتابت ——— محمد اسلم نقشبندی مجددی

ھدیہ ——— سات روپیے

جامع مسجد جبال
مصری شاہ لاہور

یہ مجموعہ کوئی ایسی تصنیف نہیں جو کسی خاص موضوع پر لکھی گئی ہو۔ بلکہ یہ چند خطبات کا مجموعہ ہے جو احباب طریقت کے سالانہ اجتماعات بعنوان اعراس رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم میں مختلف مضامین پر دیئے گئے۔ ان کا انداز بھی تقریری ہے تحریری نہیں۔ احباب کے تقاضا کے پیشِ نظر ان متفرق بیانات کو یکجا کرنے کے ان کو کتابی تشکل دی گئی ہے۔ ان سے پورا فائدہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جس قسم کے موقع و ماحول میں یہ بیان کئے گئے اُن کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اللہ عزوجل ان کو دوستوں کے لیے مفید اور فقیر کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے آمین

فقیر عبدالمجید عفی عنہ

جامع مسجد جمال مصری شاہ لاہور

جمعۃ المبارک ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ الطَّیِّبِیْنَ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؁

## اَمَّا بَعْدُ

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی

تحقیق فلاح پائی اس نے جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی۔

دوستو! اللہ تعالےٰ نے ان آیات مقدسہ میں فلاح و نجات کا راستہ نہایت واضح فرما دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قد افلح من تزکّٰی "اس شخص نے نجات پائی جس نے تزکیہ اختیار کیا۔ جس نے پاکبازی کو اپنا شیوہ بنا لیا" اگر آپ تھوڑا سا بھی غور فرمائیں گے، تو

معلوم ہوگا کہ یہ مختصر آیتہ کریمہ شریعت کے تمام مقاصد کی آئینہ دار ہے یعنی شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام انسان کے عقائد و اعمال ظاہر و باطن، اخلاق و احوال اور قلب و روح کو پاک کرنا چاہتی ہے اس کے اقوال و اعمال میں صفائی اور ستھرائی پسند کرتی ہے اور اس کی زبان، آنکھ، کان ہاتھ۔ دل اور دماغ کو طہارت بخشنا چاہتی ہے۔ اللہ اللہ کس قدر پاکیزہ دین اور عمدہ تعلیم ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ○

بے شک اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاکبازوں کو دوست رکھتا ہے، یعنی معنوی و حسی نجاستوں سے پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اور اپنے رب کے اسم کا ذکر کرے یعنی اللہ اللہ کرے پھر نماز پڑھے یا یوں کہہ لیجئے کہ ذکر اللہ اور نماز سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ ذکر اللہ اور نماز کا حقیقی لطف تزکیہ کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

آج ہم سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی اور سلسلۂ تصوف میں نقشبندیہ مجددیہ حضرات کا توسل لیے ہوئے اپنے آقا و مولا کے سالانہ عرس کی تقریب پر جمع ہوئے ہیں آج ہمیں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنانے اور آپ کی تابعداری کا عہد تازہ کرنا چاہیئے۔ چونکہ نظام عالم میں مدتِ سال کا بہت بڑا تعلق ہے اس لیے شریعت میں بے شمار امور اسی مدت کے مطابق صادر فرمائے گئے ہیں، اسی مطابقت میں حضرات صوفیائے کرام نے احباب متعلقینِ سلسلہ کے لیے سالانہ اجتماعات کا اہتمام کیا ہے تاکہ ہر سال اس عہد غلامی کو تازہ کرتے رہیں اور ایک ایسی پاکیزہ اور نورانی محفل ہو جس کا اثر پورا سال اپنی طبیعتوں میں موجود پائیں۔

جو آیات تلاوت کی گئی ہیں ان میں تزکیہ ذکر اللہ اور نماز کی تلقین ہے۔ لہٰذا ان آیاتِ مقدسہ کی روشنی میں چند نصیحتیں جو دوستوں کے لائق ہیں گوش گذار کی جاتی ہیں۔

۱۔ ہمیشہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت کے عقائد کے مطابق درست کرتے رہیں اور اس کے معلوم کرنے میں ہرگز غفلت نہ کریں کیونکہ اعمال کا دارو مدار عقائد پر ہے اور بحمد اللہ ہمارے تمام مشائخ

مذہب اہل سنت پر ہی ہوئے ہیں۔ یہ عقائد کا تزکیہ ہے۔

۲۔ اپنے اعمال میں اتباعِ سنت کو لازم جانیں اور ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی اس کی حفاظت کریں کیونکہ سنت کے خلاف کدورت اور سنت کی تابعداری عین تزکیہ ہے۔ یہ اعمال کا تزکیہ ہے۔

۳۔ چونکہ اعمال کا نتیجہ نیات پر مبنی ہے اس لیے کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ ہر عمل سے مقصود خالصًا اللہ کی رضا ہو۔ الاعمال بالنیّات اور یہ اخلاص ایسا بے تکلف اور دائمی ہو کر اللہ ہی کا ہو کر رہ جائے کہ اس کا مقصود ہر عمل سے فقط ذاتِ قدوس ہو۔ یہ نیّات کا تزکیہ ہے

۴۔ عقائد و اعمال کی صحت کے بعد معاملات میں تزکیہ کے لیے دو چیزیں بہت زیادہ ضروری سمجھی گئی ہیں ایک اکلِ حلال اور دوسری صدقِ مقال ہے یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔ یہ معاملات کا تزکیہ ہے۔

اکثر لوگ ان بنیادی امور میں لاپرواہی برتتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اپنی مرضی کی بے شمار ریاضات و مجاہدات کا نتیجہ صفر ہوتا ہے اور اگر ان ضروری لوازمات کی ترک کی حالت میں کچھ کیفیت حاصل بھی ہو جائے تو وہ سراسر استدراج ہے جو انجام کار ہلاکت کی طرف لے جائے گا۔ (دوستوں کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی تادیل سے جھوٹ بولنے اور حرام کھانے کی کوشش نہ کریں) کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اس بات کو نگاہ نہ رکھے کہ اس کا لقمہ کہاں سے ہے تو اللہ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ کہ وہ جہنم کے کس دروازہ سے داخل ہوگا۔

اگرچہ ذکر سے مراد غفلت کا دور ہو جانا ہے تاکہ ہر وقت بندہ اپنے اللہ کو یاد رکھے اس کے حکم کے مطابق عمل کرے لیکن چونکہ اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے وہ ذکر جو اکثر مشائخ تلقین فرماتے ہیں زود اثر اور سریع التاثیر ہے اور جذب و سوز بخشنے والا ہے اس لیے اس میں کوشش بلیغ کرنی چاہیئے تاکہ دوامِ ذکر کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

اور ذکر اسم ذات اللہ کا جو مشائخ نقشبندیہ نے فرمایا ہے جو لطائف سے گزار کر ذاتی انوار

بخشنے والا ہے ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے۔ اگرچہ کسی وقت ذکر جہر کرنے میں بھی مضائقہ نہیں (بلکہ مبتدی کے لیے نہایت مفید ہے) لیکن ذکر خفی کی فضیلت جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ذکر خفی ذکر جہر سے ستر گنا افضل ہے اس کی بہت رعائت رکھنی چاہیئے۔

تیسری چیز جو ارشاد فرمائی ہے وہ نماز ہے۔ اکثر متصوفین حضرات نماز کے بارے میں غفلت برتنے کی وجہ سے بہت بڑی گمراہی کا سبب بنتے ہیں نماز کو ایک غیر ضروری اور غیر اہم امر جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو ایک شریعت کی پابندی ہے۔ روحانیت و باطن سے اس کا کوئی تعلق نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کا سب سے بڑا کمال ہی نماز ہے اور اس پر سب سے بڑا احسان بھی نماز ہے۔ چنانچہ معراج کی رات باری تعالےٰ جو سب دینے والوں سے بہت دینے والے ہیں اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کو سب جہان سے بہت زیادہ دیا گیا ہے۔ تحفہ ملا تو نماز ہی ملا تھا۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ کہ کوثر جو کثرت سے نکلا ہے دے کر ساتھ ہی نماز کا ذکر ہے۔

بندہ کا مرتبہ اور مقام دراصل نماز ہی سے معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں حال وہی حال ہے جو نماز میں حاصل ہو۔

لہٰذا دوستوں کو چاہیئے کہ نماز کو بڑی خوبصورتی، حسن نیت اور تعدیل ارکان سے ادا کریں طہارت کے مسائل معلوم کرنے اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے بعد اپنی نمازوں کو خضوع و خشوع سے مزین کریں جس کو اپنے مولا سے سرگوشی اور قدم بوسی مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔ اَلسَّاجِدُ عَلٰی قَدَمِ اللّٰہِ

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

## ۲

# خطبۂ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ ۶ اکتوبر ۱۹۶۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰہَ

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

اللہ عزوجل کا شکر ہے کہ آج ہم اپنے آقا و مولا شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و یاد میں پورے سال کے بعد پھر جمع ہوئے ہیں تاکہ عہدِ غلامی کو تازہ کریں۔ ؎

زندہ خواہی داشتن ایمانِ خویش
تازہ کن با مصطفےٰ پیمانِ خویش

اس آیتِ مقدسہ میں اللہ تعالےٰ نے اوامر کے بجالانے اور منع کی ہوئی چیزوں سے رُک جانے کا حکم فرمایا ہے اور فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور تقویٰ اختیار کرو۔ ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جس طرح اوامر کا بجا

لانا ضروری ہے۔ اسی طرح نواہی سے رُک جانا بھی ضروری ہے جب ہی تقویٰ مکمل ہوگا۔ دوسرا نواہی کے متصل تقویٰ کا ذکر اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اوامر کے بجا لانے کی نسبت نواہی سے رُک جانا تقویٰ کے لیے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہی تقویٰ کی حقیقت ہے اور یہی دین کا مقصد ہے خصوصاً تصوف و فقر جو حصولِ ولایت کا ذریعہ ہیں۔ اسی حقیقت یعنی کمالِ تقویٰ کے لیے ہیں۔

چنانچہ اکثر علماء کرام نے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ جو حق ہے تقویٰ کا، یعنی کمال اتقا حاصل کرو) کمال تقویٰ ہی کا نام ولایت رکھا ہے اور اس کے حصول کو واجب فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔ معلوم ہوا عبادت سے مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔

نیز فرمایا۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو جائے۔ معلوم ہوا روزہ سے بھی مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔

اس طرح حج کے متعلق فرمایا۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ جو کوئی اللہ کے شعائر یعنی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے دلی تقویٰ سے ہے۔

قربانی کے متعلق فرمایا۔ لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ۔ اللہ کو قربانی کا گوشت و خون تو ہرگز نہیں پہنچتا، لیکن اس بارگاہ میں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

نیز فرمایا۔ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ اور زادِ راہ لے لیا کرو بس بیشک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق فرمایا۔ وَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۔ اور وہ شخص جس نے مال دیا اور متقی ہوا وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی ۔ اور دوزخ سے وہ بڑا متقی بچا لیا جائے گا جو اپنے مال کو زکوٰۃ کے لیے دیتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام عبادات اسلامی کے قالب کی رُوحِ رواں تقویٰ ہے۔ اسی لیے کلام پاک نے آغاز ہی میں فرما دیا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ کتاب پرہیز گاروں، تقویٰ والوں کے لیے ہی ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کی صفت میں فرمایا۔ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ کہ اس کے اولیاء نہیں ہو سکتے مگر متقین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے۔ مِلَاكُ دِیْنِكُمُ الْوَرَعُ تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے۔

نیز فرمایا۔ لَا تَعْدِلُ بِالْوَرَعِ شَیْئًا یعنی ورع کے برابر کوئی شی نہیں۔

اگرچہ تقویٰ و ورع ہم معنی الفاظ ہیں۔ لیکن ورع میں نواہی سے کمالِ اجتناب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ احکام کے بجالانے میں بعض اوقات نفس کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے یا عادی ہو جانیکی وجہ سے تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن گناہوں کے ترک یعنی نواہی کے رُکنے میں نفس کا کچھ حصہ نہیں۔

لہٰذا جس کام میں نفس کی زیادہ مخالفت ہوگی ۔اس میں نجات اخروی اور قربِ خداوندی بھی زیادہ ہوگا۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ اگر آپ کسی حوض کو بھرنا چاہیں تو اگرچہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں پانی کا نل کھولیں۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ اس کی تہہ کے تمام سوراخوں کو بند کریں۔

یہ تو تقویٰ کی اہمیت تھی اب اس کی تعریف بھی اسی آیت مبارکہ سے معلوم ہو رہی ہے۔ سو ارشاد فرمایا۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج

دیں لے لو اور جس سے منع فرمائیں، رک جاؤ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا بجالانا اور نواہی سے رُک جانا ہی تقویٰ ہے۔ لہٰذا جس طریق میں جتنی زیادہ اتباع رسول ہو گی۔ اتنا ہی تقوےٰ کامل ہو گا۔ اتنا ہی زیادہ قرب اور ولایت میں بلند مقام حاصل ہو گا۔

ہائے افسوس آج ہمارا حال قرآن و حدیث سے کتنا دُور ہے کہ ہم نواہی سے رکنا تو کجا اوامر کے بجانے میں بھی سُست ہیں۔ بلکہ ان کو معمولی کام سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں اور اپنی ظنّیات کو دین سمجھنے لگے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۔ اے ایمان والو! بہت بچتے رہو ظن سے گمان سے بیشک بعض ظن گناہ ہوتے ہیں إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ کہ وہ نہیں پیروی کرتے مگر ظن کی اور وہ تو اٹکل پچو لڑاتے ہیں۔

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۔ اس کا ان کے پاس کوئی اللہ کا نازل کردہ علم نہیں ہے بلکہ اپنے من گھڑت عقیدوں اور عملوں پہ چلے جا رہے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ جو قرآن مجید نے بار بار فرمائی وہ یہی ہے کہ واضح احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنی من گھڑت باتوں اور تکبندیوں اور اٹکل بازیوں سے دین کا کام لیتے تھے۔ یہی حال آج ہمارا ہے۔ بندہ کی ایک دفعہ ایک متصوف سے اس بات پر بحث ہوئی کہ کیا آجکل جس طرح عورتیں بے پردہ نیم عریاں بازاروں میں گھومتی ہیں۔ ان کی طرف نظر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تو وہ بالکل بیباک کہنے لگے کہ ان کو دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں، بالکل جائز ہے۔ میں نے دلیل پوچھی تو کہنے لگے کہ عورت عربی میں چھپانے کی چیز کو کہتے ہیں۔ جب یہ نہ چھپیں تو عورتیں نہ ہوئیں۔ لہٰذا ان کی طرف نظر سے لذت حاصل کرنا جائز ہے۔ یہ تو کتیوں اور بلیوں کی طرح ہیں۔

قرآن مجید و حدیث مقدسہ کی روشنی میں مجھے ان کا قول جہالت پہ مبنی معلوم ہوا۔ دیکھئے یہ ہے نص قرآنی کو چھوڑ کر ظن کی پیروی۔ قرآن مجید نے تو فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ فرما دیجئے ایمانداروں سے کہ وہ دبی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی۔

یعنی دیکھنے والوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں دبی رکھیں۔ یہ نہیں کہا کہ پردہ نشینوں کو نہ دیکھو پردہ نشین کو تو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور آیت کے دوسرے حصہ نے تو پہلے حصہ کو بالکل واضح کر دیا۔ فرمایا وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں۔

یعنی ہر اس چیز کو دیکھنے سے اپنی نگاہیں دبی رکھیں۔ جس کے دیکھنے سے ان کی شرمگاہوں میں گناہ کی تحریک ہو۔ اب اس آیت کی روشنی میں معلوم ہوا کہ نہ صرف مستورات سے منع کیا گیا ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز جس سے دل میں کدورت پیدا ہونے کا خطرہ ہو ممنوع ہے۔ خواہ وہ بے ریش لڑکے یا تصویریں ہوں یا جانوروں کی جماع کی کیفیتیں ہوں۔ (البتہ مجبوری مقبول عذر ہے لیکن اس کی بھی پہچان یہی ہے کہ اس سے حفاظت فروج میں نقصان نہیں ہوتا اور یہ حکم مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آنکھوں کا زنا نظر بد ہے۔ کانوں کا زنا شہوت کی بات سننا ہے۔ پاؤں کا زنا چلنا ہے ہاتھوں کا زنا چھونا ہے پھر شرمگاہ یا اسکی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب۔

اتباع ظن کی ایک اور مثال سنیئے۔ جاہل صوفیوں نے یہ عام مشہور کر رکھا ہے کہ صوفی کو کسی کے حال سے تعرض نہ کرنا چاہیئے اور کسی سے بُرا نہ بننا چاہیے اور بعض رند تو اس شعر کو اکثر چسپت کر دیا کرتے ہیں ؎

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام!

خدا ان کو انصاف دے۔ معلوم نہیں انہوں نے اس وضع کو کس آیۂ قرآنی یا حدیث نبوی سے

سمجھا ہے۔ جبکہ سارا قرآن مجید امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی خوبی و مدح کر رہا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے کہ تم بھلائی کا امر کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

یعنی اس اُمت کے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

آج تک تمام سلاسل کے مستقیم الاحوال حضرات اسکی تاکید فرماتے رہے ہیں اور نا اہل تو کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں۔ وہ لوگ جو تعرض نہ کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کے قائل ہیں، ذرا سوچیں کہ وہ عذاب و ثواب اُخروی کے، اور ان مواعید شدیدہ کے (جو اعمالِ بد کے بارے میں قرآن وحدیث میں ہیں) قائل ہیں یا نہیں؟ اگر قائل ہیں تو پھر کیوں کسی نامراد انسان کو ہلاکت عظیمہ سے نہیں نکالتے اور عذاب سخت سے بچا کر طریقِ نجات نہیں دکھاتے۔ اگر کسی نابینا کے راستے میں کنواں یا سانپ ہو یا کوئی شخص دنیاوی مصیبت میں مبتلا ہو تو یہ لوگ اس کو آگاہ کریں گے اور اس کے حال سے تعرض کریں گے۔ افسوس کہ وہ مصیبت اخروی پر جو کہ اشدّ وابقیٰ یعنی نہایت سخت اور باقی رہنے والا ہے لوگوں کو متنبہ نہیں کرتے، اور راہِ نجات نہیں دکھاتے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے سے قیامت حشر و نشر اور میدانِ حشر میں جو کچھ ہوگا اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اعاذنا اللہ من اعتقاد السوء۔ اللہ تعالیٰ اُن کے سوء اعتقاد سے ہمیں محفوظ رکھے۔

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے تابعدار دعوت و امر بالمعروف میں آپ کے شریک ہیں اور جو شخص تارک امر معروف ہے وہ درحقیقت تابعِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں ہے۔ انصافاً غور کرنا چاہیئے کہ اگر فسّاق وکفار مبغوضِ خدا نہ ہوتے تو بغض فی اللہ واجباتِ دین سے نہ ہوتا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَاَمْنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ اِیْمَانَـہٗ۔

جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لئے بغض رکھا اور اللہ کے لیے روکا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

فقیر نے ایک دفعہ ایک متصوف کو ایک صریحًا حرام کام سے رُکنے کی تاکید کی تو اس کے ایک ساتھی نے فورًا بگڑ کر کہا کہ چھوڑیئے اس کی تقدیر میں یہ گناہ لکھا ہُوا تھا۔ فقیر نے کہا کہ پھر تو تمام شریعت کا نظام ہی بیکار ثابت ہُوا۔ کہ جب ہر ایک کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو کاہے کو انبیاء اولیاء علماء کو بھیجا گیا اور عذابِ آخرت سے ڈرایا گیا۔ اور ایسے ہی لوگوں کو حضور صلی اللہ وآلہ وسلم نے خارج از اُمت فرمایا ہے۔ جب وہ یہ بھی نہ سمجھ سکا تو فقیر نے کہا کہ غصہ میں آنے کی کیا ضرورت ہے اگر یہ گناہ اس کے تقدیر میں تھا تو کیا میری نصیحت ہی تقدیر میں نہ تھی۔ گناہ پر مست ہیں اور تقدیر کا عذر کرتے ہیں۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے تو لال پیلے ہونے لگے۔ یہ بھی تقدیر میں لکھا ہُوا سمجھ کر جھومیں اور وجد کریں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس کے سامنے کوئی برائی ہو۔ اور اس کو منع نہ کرے تو وہ گونگا شیطان ہے۔

اکثر ایسے لوگ جن کو بدعتی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس مشہور حدیث کو اپنی تاویل کے لیے پیش کرتے ہیں۔ جس میں ارشاد نبویؐ ہے کہ اگر برائی کو ہاتھ سے روک سکتے ہو۔ تو ہاتھ سے روکو۔ نہیں تو زبان سے روکو۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو اس برائی کو دل سے بُرا جانو۔ یعنی وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کی تاویل کرتے اور رخصت مناتے ہیں۔

حالانکہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ اس حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ اگر ہاتھ اور زبان سے نہ روک سکو تو دل میں اس کو ضرور بُرا جانو ذالك اضعف من الایمان یعنی یہ ایمان کا بڑا کمزور درجہ ہے۔ جب یہ کمزور درجہ ہے تو ولایت کا جو کہ ایمان کے اعلیٰ درجہ کا نام

ہے۔ کیسے دعویٰ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے ایک رسالہ میں ایک مستقل باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باندھا ہے اور اس میں اس حدیث مقدسہ پر تفصیل سے بحث فرمائی ہے فرمایا جب یہ بات ثابت ہوئی کہ نہی عن المنکر عدم قدرت کے وقت واجب نہیں تو کیا نہی عن المنکر ایسے وقت میں جبکہ اپنی جان پر بن آنے کا گمان غالب ہو جائز بھی ہے۔ یا نہیں؟ پس ہمارے نزدیک ایسے وقت میں جائز ہے اور افضل ہے بشرطیکہ یہ نہی کرنے والا اہل عزیمت وصبر میں سے ہو پس یہ نہی عن المنکر جہاد فی سبیل اللہ مع الکفار کی مانند ہوگا۔"

عجیب تماشے کی بات ہے کہ جو لوگ مشرب کم آزاری اور مسلک "صلح کل" اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یہود، جوگیہ، براہمہ اور زنادقہ وغیرہ کے ساتھ تو اچھے ہیں۔ ان سے صلح صحبت۔ انبساط و محبت رکھتے ہیں لیکن اہلسنت سے جو کہ فرقہ ناجیہ ہے غلظت و عداوت کا معاملہ کرتے ہیں، اچھی "صلح کل" پالیسی ہے کہ محمدیوں سے عداوت اور غیر محمدیوں سے محبت بعض لوگوں نے اقتدار و جاہ کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ (اور اللہ کو گواہ لاتا ہے اپنے جی کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالوں سے ہے) کا مصداق ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ

(اے ایمان والو تم پر اپنے نفسوں کا ذمہ ہے جب تم ہدایت یافتہ ہو تو کسی کا گمراہ ہونا تم کو نقصان نہ دے گا) سے ترک امر معروف پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر گمراہی ہے اس لئے کہ اهْتَدَيْتُمْ میں جو اِهْتِدَاء ہے۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی شامل ہے اور اکثر مفسرین نے یہی مراد لی ہے تو اب اس کا ترجمہ یہ ہوا۔ کہ اے ایمان والو جب تم ایمان لاؤ اور اعمال صالح بجا لاؤ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر دو گے تو دوسروں کی گمراہی تم کو نقصان

نہ پہنچائے گی اس آیتہ کا شان نزول بھی اسی مفہوم کا موئید ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمان، اہل کفر کی طرف سے دل تنگ ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کی تسلی اس آیتہ سے فرمائی۔ کہ جب تم اپنا کام انجام دے چکے اور راہ راست کی جانب راہنمائی کر چکے اور کفر و طغیان سے ڈرا چکے تو اس کے بعد ان لوگوں کا کفر تم کو مضرت نہیں پہنچائے گا۔ اور جن لوگوں نے اس آیت کو اپنے ظاہری معنی پر رکھا ہے۔ انہوں نے اس کو آیتہ امر معروف سے منسوخ مانا ہے۔

اگر کہا جائے کہ امر بالمعروف (تبلیغ) اور جہاد فی سبیل اللہ طریقہ انبیا ہے اور طریقہ اولیاء ترک تعرض اور ترک امر ہے جیسا کہ اس وقت بعض اشخاص اپنے ظن سے کہدیا کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں کیوں نہیں صاف صاف کہہ دیتے کہ بھائی ہم تو نبیوں کے طریقے کے الٹ کرنے والے ہیں تاکہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ

حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟

قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کے جھوٹ بولنے اور حرام کھانے یعنی سود کھانے کا ذکر کرنے کے بعد ان درویشوں اور عالموں کو ملامت کی ہے۔

لَوْلَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ

کیوں نہیں روکتے ان کو ان کے درویش اور علماء ان کی جھوٹی بات سے اور حرام کھانے سے

غور فرمائیں کہ یہاں درویشوں کو پہلے ذکر کیا اور علماء کو بعد اور انصاف بھی یہی ہے کہ یہ لوگ علماء کی نسبت دو چند ذمہ دار ہیں علماء کے پاس تو صرف ایمان تقلیدی اور دلائل عقلیہ و نقلیہ ہیں اور صوفیہ کے پاس ایمان شہودی اور دلائل عینیہ ہیں عوام کے قلوب کو جو عقیدت اس گروہ سے ہوتی ہے وہ صرف فتویٰ نویسوں سے نہیں ہوتی لہذا انہیں پہلے ذمہ دار گردانا چاہیے تھا۔

انصاف کرو، جب نبوت ختم ہو گئی، زمانہ وحی منقطع ہو چکا، دین کامل ہو گیا، نعمت تمام ہو گئی پھر آج کس دلیل اور کس سند سے دین مبین (کے احکام) کو برطرف کیا جا سکتا ہے اور اپنے خواب و خیال کی بنیادوں پر انبیاء کے کلمہ متفقہ کو، جو وحی قطعی اور اخبار آلہی سے ماخوذ ہے کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ عقل دور اندیش کو کام میں لانا چاہیئے، خواب و خیال کے دھوکہ میں نہ پھنسنا چاہیئے۔ شیطان کے راستے سے دور رہا جائے سنت سنیہ کی صراط مستقیم کو ہاتھ سے نہ دیا جائے، اتباع انبیاء علیہم السلام ہی بے شک و شبہ نجات دہندہ ہے اور "مثمر برکات" ہے سوائے اس کے سب باتیں "خطر و رخطر" ہیں۔ فالحذر کل الحذر (الامان الامان) راہ نجات قطعی کو چھوڑ کر راہ خطر اختیار کرنا، شیطان لعین کے جال میں گرفتار ہونا اور اپنے آپ کو "سرمدی ہلاکت" میں ڈالنا عقل سے بہت بعید ہے۔ جو "وجد و حال" اور خواب و خیال کہ خلاف پیغمبران برحق ہو وہ کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً (میدان ہموار میں ریت کی مانند جسکو (مصنوعی لہروں کی وجہ سے) پیاسا آدمی، پانی سمجھتا ہے) کا مصداق ہے، جب خدا سے واسطہ پڑے گا۔ اور گور و قیامت کی منزلیں در پیش ہوں گی۔ اس وقت متابعت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی چیز سود مند و دستگیر نہ ہو گی۔ ہاں اگر "احوال و مواجید" اور "کشوف والہامات" متابعت انبیاء کے ساتھ جمع ہو جائیں تو نور علیٰ نور ہے۔

اسی طرح ایک اور امر ظنی کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ اتباع سنت کی طرف دھیان ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں سود۔ رشوت، دھوکہ فریب سے جو مال بھی ہاتھ لگے لے لینا چاہیئے ہم خوب ذکر کریں گے تو اس کی نجاست ہم ذکر کے دریا میں بہا دیں گے۔ لہٰذا وہ بڑے مزے سے رشوتیں کھاتے۔ سودی کاروبار کرتے اور جائز و ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے مضر نہیں کیونکہ ہمارے ذکر اشغال میں مخل نہیں۔ اور اس پر اور بہت سے خوبصورت حاشیے چڑھاتے ہیں۔

سنیئے! حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ایک غلام سے شربت

نوش فرمایا۔ بعد میں اس کے مشتبہ ہونے کی اطلاع ملی تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی اور کہا کہ اے اللہ اگر کوئی قطرہ میرے جسم میں رہ گیا ہو تو معاف فرما دے۔ کیا ان کے اندر اس قسم کا کوئی ذکر کا دریا نہ بنا تھا جس میں ایک گھونٹ شربت بہ جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی ذکر کرتا ہے تو اس قدر روشنی ہوتی ہے کہ وہ ذرہ بھر بھی کدورت برداشت نہیں کرتا۔ اور حرام و مکروہ اور مشتبہات سے کمال اجتناب کرتا ہے۔

غم دل تجھ سے کم کہتا ہوں اے یار
کہ سن سن کر نہ آزردہ ہو دل تیرا

اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ ہر حال میں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نگاہ رکھیں۔

والسلام

# ۳

# خطبہ صدارت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

شکر کا مقام ہے کہ آج ہم غلامانِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ اپنے اس عظیم شیخ کے عرس کی تقریب منانے کے لیے جمع ہوئے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام اولیاءِ امت سے افضل بنایا ہے۔ جس کی آمد کی خبر خود مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دی اور بے شمار اکابر امت نے خصوصاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جن کی تشریف آوری کی بشارت دی آپ کا نام نامی شیخ احمد فاروقی اور لقب مجدد الف ثانی اور کنیت ابوالبرکات ہے۔

یہ سورۃ واقعہ کی ایک آیت ہے جو تلاوت کی گئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک گروہ اولین سے اور تھوڑے پچھلوں سے سابقین و مقربین ہوں گے۔

بعض مفسرین نے اولین سے امم سابقہ اور ان کے انبیاء مراد لیے ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ۔ لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اولین و آخرین اسی امت کے اکمل افراد ہیں جس کی تائید ایک حدیث مرفوع فرماتی ہے کہ اولین و آخرین یہاں اسی امت کے پہلے اور پچھلے ہیں۔ چنانچہ شیخ محقق

عبدالحق اور شاہ ولی اللہ قدس اسرارہم نے اور دیگر اہل علم نے قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کا مصداق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور آپ کی اولاد و خلفاء کو قرار دیا ہے امم سابقہ میں یہ سنّت اللہ جاری تھی کہ شرائع کی ترویج و احیاء کیلئے وقتاً فوقتاً انبیاء مبعوث ہوتے۔ لیکن چونکہ اس امّت محمدیہ میں کسی نئے نبی یا رسول کا آنا ممکن ہی نہ تھا اس لیے اس امّت میں نبیوں کے قائم مقام علماء ربانی کو کیا گیا۔ حدیث اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِيْ کَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْل اسی طرف ہدایت فرماتی ہے کہ میری امّت میں علماء وہ کام کریں گے جو بنی اسرائیل کے انبیاء کیا کرتے تھے۔

مشکوٰۃ میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔ (بے شک اللہ تعالےٰ ہر صدی کے آغاز میں اس امت میں ایسے لوگوں کو مبعوث فرمائے گا جو امّت کے لیے دین کی تجدید کریں گے۔

اللہ اکبر جو لفظ بعثت نبی کیلئے استعمال ہوتا ہے وہی مجدد کیلئے بھی فرمایا۔ یعنی جس طرح منصب نبوّت کسی کی ذاتی جدوجہد یا جماعتی تجویز سے نہیں ملتا بلکہ محض فضل خداوندی سے انتخاب کیا جاتا ہے اسی طرح مجدّد کا منصب جلیل بھی کسی کی سعی و کوشش یا کسی جماعت کے متفقہ سمجھوتہ سے ہاتھ نہیں لگتا۔ بلکہ یہ بھی ایک اللہ کا فضل ہے جس کے لیے قدرت خود انتخاب کرتی ہے۔

جس طرح کسی کو نبی مان لینے سے اس کے لیے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم آجاتا ہے اسی طرح کسی کو مجدّد تسلیم کر لینے سے اس میں نبوّت کے کمالات کا بدرجہ غایت پائے جانے کا اعتراف مضمر ہے۔ فرق صرف اصل اور ظل کا ہے۔ نبوت اصل ہے اور تجدید اس کا ظل ہے۔ چنانچہ اس امت میں بھی حسب ارشاد نبوی ہر سو سال کے بعد ضرور ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جو دین کی تجدید کرتا یعنی محدثات اور بدعات کو مٹاتا اور سنتِ نبوی کی اشاعت کرتا رہا ہے۔

اب اندازہ کریں کہ ایسے نازک اور پرآشوب دور میں وہ مردِ حق کتنی غیر معمولی قوت علمیہ و عملیہ کا مالک ہوگا کہ جس نے بے خوف و خطر اعلائے کلمۃ الحق اس بلند آہنگی سے کیا کہ جس نے کفر و الحاد کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا اور اپنی مسلسل کوششوں سے بدعات و محدثات کے سیلاب کی جگہ سنت کی تابعداری کا دریا بہا دیا۔

آپ نے حکمران طبقہ کی اصلاح اس طرح کی کہ اس وقت جبکہ کوئی ان کی فرعونیت کے خلاف آواز نہ نکالتا تھا آپ نے شرع محمدی کی پاسبانی کیلئے حق کی آواز بلند کی یہاں تک کہ طاغوتی طاقتوں نے حیلہ بہانہ سے اس بوریا نشین کی درباری میں طلبی کرائی تاکہ اسکو جہانگیری رعب سے مرعوب کیا جائے لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ مرد درویش جو اللہ کے رعب و ہیبت سے سرشار دل والا تھا اور اللہ کی بارگاہ میں نیاز مندی سے سرفراز سر والا تھا۔ دربار جہانگیری میں سر تنہا ہوا داخل ہوا۔ اور اس کی ہیبتِ خداداد سے تمام درباری لرزہ براندام تھے۔ جہانگیر کی طرف سے کئی پہلوانوں کو آپ کا سر مقدس جھکانے کے لیے کہا گیا جنہوں نے پوری کوشش کی، لیکن اس سر اقدس کو ایک بال برابر بھی نہ جھکا سکے۔ ؎

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جہانگیر جانتا تو تھا کہ یہ میرے سامنے سجدہ نہ کریں گے لیکن چونکہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا کہ مجھے سجدہ کرو اس شرمندگی کو چھپانے کیلئے وہ اس ذلیل حرکت پر اُتر آیا۔ آخر وہ یہی کر سکتا تھا کہ گوالیار کے قلعہ میں قید کروا دیا۔ تمام جائداد کی ضبطی کا حکم جاری کر دیا لیکن اس سچے عاشق کی مستی اس بلا سے اور زیادہ بڑھی اور ایسی استقامت کا نمونہ دکھایا کہ جہانگیر کو معہ اپنے درباریوں کے اس مرد درویش کے آگے جھکنا پڑا اور ان کی شرائط کو من و عن تسلیم کر لیا۔ وہی جہانگیر تھا جو گھنٹوں آپ کی مجلس میں تمام حاضرین کی طرح گمنام بیٹھا رہتا اور کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہی جہانگیر تھا جس نے اپنی طویل و عریض حکومت میں اسلامی قانون نافذ کئے جگہ جگہ قاضی مقرر کئے جو فقہ حنفی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ جہاں پہلے شریعت کو مٹانے کی کوششیں کی جاتی تھیں

وہاں اب ترویج شریعت کے لیے حکومت کا تمام کارخانہ وقف تھا۔

اب رہا علماء کا گروہ انہیں اپنے کمالات علمیہ سے ایسا گرویدہ کیا کہ ابوالفضل اور فیضی جیسے بے لگام بھی گھٹنے ٹیک گئے۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ آگرہ میں تھے ابوالفضل سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ میں آجکل بے نقطہ تفسیر لکھ رہا ہوں آپ نے قلم دوات منگائی اور فی البدیہہ بے نقطہ عبارت کے سینکڑوں صفحات لکھ دیئے ابوالفضل یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ جتنی عبارت میں نے کئی سالوں میں لکھی تھی آپ نے وہ برجستہ منٹوں میں لکھ دی۔ غرضیکہ آپ نے اپنے رسالوں اور مکتوبات میں وہ معارف وحقائق بیان فرمائے کہ جن کے سمجھنے سے علماء بھی عاجز آگئے چنانچہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جو اپنے وقت کے علماء کے رئیس مانے جاتے تھے۔ آپ کے معارف کے چند اوراق ہی پڑھ کر گرویدہ ہوگئے۔ اور غائبانہ بیعت سے مشرف ہوئے۔

رہا صوفیاء کا گروہ تو ان کے خلافِ شرع علوم ومعارف کی سخت تردید کی اور ان کی جگہ ایسے علوم ومعارف کو بیان کیا جو عین قرآن وحدیث کے مطابق تھے۔ اور ان پر یہ صاف صاف ظاہر کر دیا کہ تصوف میں اگر سرمو بھی قرآن وحدیث کی مخالفت ہے تو وہ گمراہی اور ہلاکت ہے یہیں تک ہی نہیں بلکہ دیکھنے کا شوق رکھنے والوں کو سب کچھ دکھا بھی دیا۔ اور یہاں تک بھی دکھا دیا کہ حضرت غوث پاکؒ قطب ستارہ سے ظاہر ہوئے اور بآوازِ بلند اس چیز کا اعلان کیا کہ جو کچھ شیخ احمدؒ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے اور بیشک یہ تمام اولیائے اُمت سے افضل ہیں جو ان کا انکار کرے گا وہ اپنے ایمان کا نقصان کرے گا۔

ایسی جامع اصلاح وہدایت کا یہ اثر ہوا کہ تمام اطراف عالم میں آپ کے ارشاد کا ڈنکا بجنے لگا شریعت کے علوم ومعارف کی اشاعت وترویج عام ہونے لگی اور خلافت راشدہ کے امن وامان کی خوشبو آنے لگی یہ ہیں مجدد الف ثانیؒ۔ اور قربان جاؤں سب سے پہلی استدعا جو بارگاہ نبوی میں مقام تجدید کی تفویض کے بعد کی گئی وہ یہی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج کے بعد کسی کو خلافت شرع امور سے [illegible] پہ مقامِ وحدتِ وجود

کھلے ۔ جیسے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منظور فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد کسی کو رقص وسرود سے ترقی نہ ہوگی اور جو مقام وحدتِ وجود کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے آج کے بعد کسی پر یہ مقام نہیں کھلے گا۔ یہ ہیں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ۔ آپ نے مجاہدہ اور ریاضت کا ایک نیا اور انوکھا اصول و نظریہ بیان فرمایا جس کو اگرچہ متقدمین صوفیا اکرام نے بیان تو کیا لیکن کما حقہٗ اس کو اپنا کر نہ دکھا سکے آپ نے اس کو نظریاتی اور عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم خلاف سُنت بیداری کریں۔ مجبور ہیں فاقہ کشی کریں اور طرح طرح کی ریاضات و مجاہدات سے تزکیہ نفس چاہیں یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم ہر وقت اتباع سنت اور اس کے آداب کو زیادہ سے زیادہ نگاہ رکھیں۔

یہ فقیر آج کی مجلس میں جو بات خاص طور پر دوستوں کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے وہ طریق نقشبندیہ مجددیہ کی وضاحت ہے کسی اور سے کیا گلہ کریں نقشبندیت کے اکثر دعویداراپنی پست ہمتی کے باعث اس کو سمجھتے ہی نہیں اور جب اس طریقہ کے عالی قدر بزرگوار کی بارگاہ تک اُن کی رسائی نہیں ہوتی تو جھک مارتے اور اپنے ظن واختراع کی پونجی کو سے کر پیری پر آدھمکتے ہیں۔ اللہ ان کو انصاف دے اور سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے سے باز رکھے آمین۔

حضرات نقشبندیہ اور خصوصاً حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اکثر بیان فرمایا ہے کہ حضرات نقشبندیہ نے اتباع سنت کے طریق کو اختیار اور بدعت سے اجتناب کیا ہے۔ عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور رخصت سے پرہیز کرتے ہیں۔ یعنی جملہ کمالات کو فرائض واجبات اور سنن کی تابعداری اور حرام و مشتبہات سے کمال اجتناب میں جانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اوامر نواہی کو تو صرف ایک ضابطہ حیات سمجھیں اور کمالات باطنیہ کے حصول کو اس کے سوا نوافل و ریاضات میں جانیں۔ بلکہ ایک فرض کا ادا کرنا تو کجا ایک سنت کے ادا کرنے کو لاکھوں نفلوں اور اپنی مرضی ریاضتوں سے افضل جانتے ہیں اور اس سنت کے ادا کرنے کو ہی تمام کمالات کا حاصل ہوجانا

ہیں۔ اگر اس کے سوا کچھ ہو تو اس کو استدراج جانتے ہیں۔ اسی لیے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر جہان کے تمام کمالات مجھے دیں اور ایک سنت واپس لے لیں تو میں یہ سودا ہرگز نہ کروں گا۔ ہائے افسوس ہے انصافوں نے اپنی مرضی کی ریاضتوں اور مجاہدوں میں تو اللہ کی رضا ڈھونڈی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو اس سے خالی سمجھا جس کے لیے قرآن مجید نے صاف صاف اعلان فرمایا تھا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۝

فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میرے نقش قدم پر چلو اللہ تم سے محبت کریگا اسی طرح ایک حرام یا مشتبہ کی ترک کو اپنی مرضی کے ہزار سال کے زہد اور روزوں سے بہتر جانتے ہیں۔ اور اگر کسی کا ایک پیسہ ادا کرنا واجب ہو تو اس کو دے دینا سونے کا پہاڑ راہ خدا میں خرچ کرنے سے بہتر جانتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ قرب خداوندی کیلئے فقط شرعی اوامر و نواہی کو بجالانا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے ہوتے ہوئے کمالات ظلیہ میں سے کوئی چیز بخش دیں تو فبہا ورنہ کسی چیز کی آرزو نہیں رکھتے اور ذرہ بھر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرق آئے تو اس کو ہلاکت جانتے ہیں۔

اکثر فقیروں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ان ارشادات سے صرف یہی سمجھا ہے کہ اتباع شرع سے مراد صرف یہ ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھ لی اور داڑھی رکھ لی اور لمبا کرتہ پہن لیا۔ بس ہم باشرع فقیر ہو گئے۔ ان کو خدا تعالیٰ نے عقل دے کیا اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ان ہی ظاہری ایک دو باتوں پر منحصر ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو ان کی نمازیں بھی سنت کے خلاف داڑھی مونچھیں بھی سنت کے خلاف اور لباس بھی سنت کے خلاف ہوتا ہے۔ وہ صرف لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے کرتے ہیں کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ شرع والا فقیر نہیں ہے۔ عوام کا لانعام کیا جانیں کہ شریعت کی تابعداری سے کیا مراد ہے۔ نماز کو شرع کے مطابق پڑھتے ہوئے یہ مراد ہے کہ نماز کے فرائض واجبات سنن اور مستحبات کو زیادہ سے زیادہ نگاہ رکھیں وضو کرتے وقت وضو کے

فرائض واجبات اور سنن کو ملحوظ رکھیں اور اسی طرح روزہ کے فرائض واجبات وسنن و مستحبات کو نگاہ رکھا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس حرام سے بچنے سے مراد یہ نہیں کہ اعلانیہ گناہ کے ارتکاب سے تو بچا رہے لیکن باطنی گناہوں اور مشتبہات سے لتھڑا رہے اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مجرّد رہنے اور اپنی حلال بیویوں سے علیحدہ رہنے کو کمال سمجھتے ہیں۔ لیکن آنکھوں کے زنا میں بڑی جرأت سے کام لیتے ہیں۔

کاش وہ یہ جانیں کہ تمام عمر حلال بیویوں سے زندگی بسر کرنے میں ذرّہ بھر کدورت نہیں ہے لیکن ایک بار غیر محرم کو دیکھنا سراسر کدورت ہی کدورت ہے۔ یہ حال تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کسی حد تک تو اوامر و نواہی کو ملحوظ رکھا۔ لیکن ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جنہوں نے اپنے احوال ومواجید کی بنیاد ہی خلاف شرع امور پر رکھی ہے۔ کاش یہ لوگ جانیں کہ اتباع رسول ﷺ میں دوپہر کا قیلولہ ہزاروں نوافل پڑھنے سے افضل ہے۔

غرضیکہ نقشبندیہ مجددیہ طریقہ کا اصل اصول اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

یک زمانہ اتباع مصطفےٰ ؎

بہتر از سلطانیِ ارض و سما

حضرت امام ربانی رح کے لطیف مزاج نے بدعت حسنہ کی اصطلاح کو بھی جو اکثر علماء استعمال فرمایا کرتے تھے قبول نہ کیا۔ ممکن ہے آپ یہ خیال کریں کہ بدعت حسنہ جس سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ وہ کیا ہے۔ سنیئے وہ تہجد کو جماعت سے پڑھنا ہے اور دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کو ایک رکعت شمار کرکے طاق عدد سمجھنا اور نیتِ نماز کو زبان سے ادا کرنا وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اگر آج ہمارا امام طریقت ہماری بدعت نوازیوں کو دیکھے تو ہمیں ہرگز مجددی تسلیم نہ کرتے۔ جب وہ مذکورہ بالا بدعات پر نالاں ہیں تو ہماری تو یہ حالت ہے کہ بدعات سیئہ ایسی جزو بدن بن گئی ہیں کہ ان کے خلاف ہم کو سننا گوارہ ہی نہیں بلکہ اگر کوئی نصیحت کرے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ مکتوبات نہ پڑھا کرو۔ سبحان اللہ یہ کہاں کی مجددیت ہے۔ مجددیت کا انکار محمدیت کا انکار ہے کیونکہ مجدد الف ثانی رح کی بشارت حدیث نبوی سے ثابت

ہے جو کہ اصل دین ہے اور حدیث کا انکار گمراہی ہے۔ لہذا علوم مجددی کا انکار حدیث کے انکار کو مستلزم ہے جو ہلاکت وعذاب کا موجب ہے۔ العیاذ اللہ

# لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

*

یہی وہ کلمہ ہے جو مومن اور کافر کے فکر و عمل میں فرق کرنے والا ہے۔ مومن کے عقائد و اعمال اور قانون و اخلاق کا ماخذ یہی کلمہ ہے اسکا نصب العین قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ہے۔ فرما دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کے لیے ہے جو کائنات کا پروردگار ہے کافر کو جو مخلوق کا پجاری ہے یہ رفعت کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
اور مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

جس طرح خالق کبھی مخلوق اور مخلوق کبھی خالق نہیں ہو سکتی اسی طرح مومن کا نظریہ حیات کافر اور کافر کا نظریہ حیات مومن نہیں اپنا سکتا اسی لیے قرآن مجید نے ارشاد فرمایا لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کان اباءھم۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کو ہرگز نہ پائے گا کہ وہ خدا اور

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو اپنا دوست بنائیں اگرچہ ان کے والدین و اولاد ہی کیوں نہ ہوں۔ جب ایسے قریبی دوست نہیں ہو سکتے تو وطنیت و قومیت کا ذکر ہی کیا۔

مومن نے جب بھی اپنے اللہ کو پکارا اس نے اس کی بے سروسامانی کو نوازا۔

کون باور کر سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو تن تنہا اس صنم کدہ عالم میں لا احب الافلین کا نعرہ لگانے ہیں کوئی مقام حاصل کریں گے۔ لیکن معبود حقیقی نے ان کو وہ عظمت بخشی کہ آج دنیا بھر کے توحید پرستوں کی نماز، حج اور قربانی انہیں کی اداؤں کا مجموعہ ہے۔

کسے یہ گمان تھا کہ مدین میں پناہ لینے والا بے خانماں اللہ کی نصرت سے ایک بہت بڑے سلسلہ نبوت و حکومت کا بانی ہو گا۔ کون جانتا تھا کہ عیسٰی بن مریم علیہ السلام جن کا تکیہ ان کا بازو اور پیالہ انکا ہاتھ ہے دنیا کے کونے کونے میں مشہور ہو گا۔ اور مکہ کے دریتیم کو دیکھ کر جن پر فقر کو ناز ہے کسے یہ تصور آتا تھا کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ زمین و آسمان میں انہیں کا بول بالا ہو گا۔ اور عرب کے گلہ بانوں کے متعلق کسے امید تھی کہ ایک دن یہ قوم جہانبانی کرے گی۔

اے مسلمان! تو نے دیکھا کہ تیرا تعلق کس ذات کے ساتھ ہے تو کس کا دوست اور منصور ہے کہ قادر مطلق نے خود فرمایا وکان حقا علینا نصر المومنین اور ہم پر یہ حق ہے کہ ہم ایمان والوں کی مدد کریں۔ وان اللہ لمع المومنین اور بیشک اللہ مومنین کا ساتھی ہے۔ اللہ ولی الذین امنوا اللہ ایمان والوں کا دوست ہے الا ان حزب اللہ ھم الغالبون خبردار اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ وہ کونسا دور ہے جس میں اللہ نے اپنے وعدے پورے نہ کئے ہوں اور طاغوتی طاقتوں کی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے والی سازشوں کو برباد نہ کر دیا ہو۔ میرا مقصود اس بیان سے قوم کو اللہ کی اطاعت پر تحریص دلانا ہے تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب طاغوتی طاقتوں نے دیکھ لیا کہ خالص اسلام پر تو ہم غالب نہیں آ سکتے تو اس نے کہیں سیکولرزم اور کہیں قومیت اور وطنیت

کا ڈھونگ رچایا اور ہمارے اس برصغیر میں یہ فتنہ سب سے پہلے اکبر کے عہد میں ظاہر ہوا۔ کفر نے جس کی سرشت میں مکاری عیاری اور ریاکاری ہے مذعومہ رواداری کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کی انفرادیت کو ختم کرنے کے درپے ہوا۔ لیکن اللہ کی رحمت ہو اس پاکباز پر جس نے نور فراستِ ایمانی سے اس رقیق سازشِ کفر کو تاڑ لیا جن کے متعلق اقبال مرحوم کہتے ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یعنی امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو بیدار کیا کہ اسلام اور کفر کا کیا جوڑ ہے مسلمان کو اللہ نے فطرتاً سیادت وقیادت کیلئے بنایا ہے جس طرح شیر کو درندوں پر اور شاہباز کو پرندوں پر قدرت نے سیادت بخشی ہے اسی طرح مسلمان کو فطرت نے کافر پر سیادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لومڑی تو ہر چند چاہے گی کہ شیر اسے اپنا ہم سر بنائے لیکن شیر کے لیے یہ ذلت کا مقام ہے۔ شاہین کے لیے کوئی عزت نہیں کہ وہ کرگس کے گھونسلے میں پناہ لے۔

اس صدی میں ہندو نے انگریز کے ساتھ مل کر پھر وہی سازش کی **الکفر ملۃ واحدہ** لیکن اللہ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو پھر وہی کلمہ یاد کرایا جو ان کے وجود کا اصل الاصل ہے۔ کفر کی سالہا سال کی عیاری اور اسباب وسامان کی فراہمی نے جب مٹھی بھر اللہ والوں سے ٹکر لی تو دنیا نے دیکھا جو کچھ دیکھا کسی کو بدر کا میدان یاد آنے لگا اور کسی کی آنکھوں میں غزوۂ خندق پھرنے لگا اور کسی کے دل سے لشکر فیل کی بربادیوں پہ جو شک تھے وہ رفع ہونے لگے۔

حال ہی میں جو پاکستان کے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی ہے اس سے تمام دنیائے اسلام میں مسلمانوں کے سر بلند اور آنکھیں روشن ہیں۔ اور کفر کے سینے پر سانپ لوٹ رہا ہے کہ اس کی سالہا سال کی عیاری کے جال کو اسلام کے شاہباز نے آن کی آن میں تار تار کر دیا۔ اللہ کی طرف سے یہ ایک آیتہ بینہ ہے جس سے ہمیں بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ایک تو جو لوگ اللہ کی نصرت کو یونہی

قصے کہانیاں سمجھتے تھے وہ اس پر پورا پورا ایمان لائیں اور ایسے مہربان سے محبت و اطاعت کا رشتہ مضبوط کریں کیونکہ حقیقی شکر یہی ہے تاکہ سامان و شیطان والوں اور ایمان و رحمان والوں میں فرق ظاہر ہو۔

دوسرے جو لوگ دین و سیاست کو دو علیحدہ چیزیں سمجھتے ہیں ان کے لیے محل فکر ہے کیونکہ اس وقت دین اور سیاست دونوں ملیں تو ہی مشکل آسان ہوئی۔ یہ دین ہی کی سیاست ہے کہ مسلمان دشمن کے ٹینک کے نیچے خود جا کر میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ صرف وطنیت اور قومیت پرستی سے وہ جذبات پیدا نہیں ہوتے جن کا اسوقت مسلمانوں نے مظاہرہ کیا ہے۔ ورنہ قومیت وطنیت اور بے دینی کا تو ہندوستان بھی بڑا دعوے دار ہے اسباب جنگ کی فراوانی اور مکر و فریب میں ضرب المثل ہے۔

تیسرے جو لوگ علوم جدیدہ یا دماغی اٹکلوں سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو فرسودہ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ بھی غور کریں یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون

"اے ایمان والو! جب تمہاری کسی کافر قوم سے مٹھ بھیڑ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم مراد کو پہنچو" یہ ایک ایسا الٰہی فلسفہ اور علم نفسیات ہے

جو نتیجہ کے اعتبار سے حال و مستقبل میں قدرت کی نصرت و تائید کا مظہر ہوتا ہے۔

جب ایسا ہو تو پھر کیا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے جو بدر میں ہوا خیبر میں ہوا۔ شام اور عراق اور سندھ میں ہوا اور آج چھمب جوڑیاں۔ سیالکوٹ۔ واہگہ۔ کھیم کرن اور راجستھان میں ہوا۔ غرضیکہ دین کی تابعداری کے فلسفہ کے سامنے تمام ظنیات باطل و لغو ہیں۔

مسلمانو! تمہاری نشاۃ ثانیہ کا وقت ہے کمر ہمت باندھو اس گئے گذرے دور میں بھی جب تم نے اللہ کو پکارا تو اس نے تمہاری ایسی مدد کی جیسے وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کرتا تھا، اگر تم ہمت کروگے تو کشمیر کیا ہندوستان تمہارا ہے۔ اور ہندوستان کیا سارا جہان

تمہارا ہے۔ ؎

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین
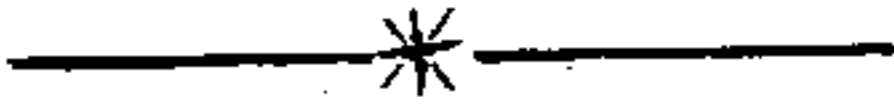
# خطبہ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ ۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء
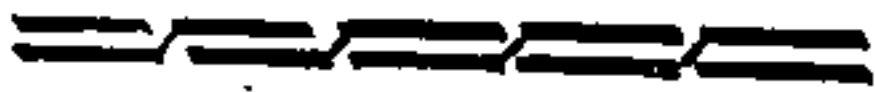
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور جن لوگوں نے ہماری رضا طلبی میں محنتیں کیں ہم انہیں ضرور اپنی راہیں دکھائیں گے اور بیشک اللہ نیکوں کا ساتھی ہے

## انسان محنت اور کسب کرنے کیلئے مکلف ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا سے یہ ثابت ہوگیا کہ کوشش وسعی کرنا اور محنت ومشقت کرنا انسان کا فرض ہے جو لوگ محنت سے جی چراتے ہیں اور سعی کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے وہ لوگ منشائے ربانی کے خلاف کرتے ہیں بعض لوگ اعتقاداً تو عمل وسعی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن عملاً سعی ومحنت سے فرار کے لیے کبھی تقدیر خداوندی اور کبھی فضل خداوندی کی آڑ میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں یہ بھی

بیکار لوگ ہیں۔ اگر جد وجہد اور محنت بیکار شے ہوتی ہے اور اس سے کسی کو مفر ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس کے لیے حکم نہ فرماتے اور ترغیب و تحریص نہ دلاتے کیونکہ یہ اس کی صفات کے منافی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔

(لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ)(وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى)

ترجمہ:۔ "البتہ تحقیق ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا" اور "انسان کیلئے وہی کچھ ہے جس کے لیے اس نے سعی کی"۔ اور جنت والوں کو ارشاد ہوگا۔

(جَزَآءً بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)(وَكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا)

ترجمہ: (یہ جزا ہے اس کی جو تم عمل کرتے تھے) اور یہ تمہاری سعی کی قدر دانی ہے۔

## (فِیْنَا) اللہ تعالےٰ کے طالب کی نشانی

تمام وعدے اسی کے ساتھ ہیں جو اسی کا طالب ہے غیر کے طالب سے کوئی وعدہ نہیں۔ یا فِیْنَا سے یہ مراد ہے کہ جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ اس طرح طلب کرے ہماری پسند اور خوشنودی کو ملحوظ جان کر سعی کرے اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کی راہ فقط وہی ہے جو اس کے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ جو کوئی جد وجہد کرے وہ خالص اللہ ہی کیلئے اور خاص طریقہ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کرے اور طریقہ محمدی تقدیر و تدبیر کا جامع ہے۔

## (لَنَهْدِیَنَّهُمْ) اللہ کا طالب ہرگز محروم نہیں۔

البتہ ہم ان کو ضرور ضرور اپنی راہیں دکھائیں گے۔ کتنے زور دار الفاظ میں اسکا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے اس سے زیادہ تاکید ممکن ہی نہیں تاکید کے تمام حروف کو اس لفظ میں جمع کر دیا ہے ایک لام تاکید کا پھر نون تاکید کا اور وہ بھی ن ثقیلہ جس سے کمال تاکید مراد ہوتی ہے تاکہ عمل و سعی کرنے والوں کو ہمارے اس وعدے پر یقین راسخ ہو جائے اور عمل

کو بہت خوش دلی اور اطمینان سے بجا لائیں۔

معلوم یہ ہوا کہ طالب خدا کو اس یقین محکم سے عمل کرنا چاہیئے کہ اس کی سعی مشکور ہو گی اور اس سے وعدہ خلافی یا دھوکہ ہرگز نہ ہو گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ سے

بھی یہی مراد ہے کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کسی نقصان کا خوف اور نہ کسی بے وفائی کا غم ہو گا۔

ثابت یہ ہوا کہ جو لوگ عمل کرنے کے بعد اللہ کی رحمت اور فضل کی امید نہیں رکھتے وہ غلطی پر ہیں اسی طرح وہ لوگ جو محض فضل خداوندی کی امید پر عمل اور محنت سے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ خطرے میں ہیں۔

## اللہ تعالےٰ صاحب فضل اور صاحب عدل ہے

اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فضل والا ہے۔ لیکن اسکا فضل طرف داری سے پاک ہے اور عدل والا ہے اور اسکا عدل ظلم سے پاک ہے۔ بعض جہلا نے فضل سے مراد دھاندلی اور اندھیر نگری سمجھ لی ہے کہ جسے چاہا اٹھا کر دوزخ میں پھینک دیا اور جسے چاہا جنت میں بھیج دیا وہاں نیکوں اور بدکاروں میں کوئی امتیاز نہیں حالانکہ یہ بات فضل اور عدل دونوں کے منافی ہے اور اللہ عزوجل کی کوئی صفت دوسری کسی صفت کے منافی نہیں خدا ان کو انصاف دے ان کی سوء عمل کو شیطان نے مزین کر دیا۔

بَلْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ

بلکہ مزین کی گئی ہے۔ اس کے لیے اس کی بد عملی اور وہ آخرت میں گھاٹے والوں سے ہے۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ ۝ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ ۝

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کے برابر کریں گے؟ تمہیں کیا ہے کیسی باتیں کرتے ہو۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

کیا برائیاں کمانے والوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم انہیں برابر کر دیں گے۔ ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کیا ان کا مرنا اور جینا برابر ہے بہت برا ہے جو تم فیصلہ کر رہے ہو۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۔ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۔

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے زمین میں فساد کرنے والوں کے برابر کر دیں گے؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کے برابر کر دیں گے؟

## ایک اور غلطی کا ازالہ

اکثر احادیث و آثارِ صحیحہ میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ نے ایسے انسانوں کو جنہوں نے ساری عمر کبیرہ گناہوں میں بسر کی تھی اللہ تعالیٰ نے کسی چھوٹی سی نیکی کے بدلہ میں بخش دیا چنانچہ ایسے واقعات کو بعض لوگ اپنے لیے سند بنا لیتے ہیں کہ ان سے بھی اب ایسا ہی ہوگا۔ حالانکہ یہ دھوکہ ہے۔

اگر ان خوش فہموں کو ایسے واقعات سے ہی سبق لینا ہے تو پھر یہ سبق لیں کہ وہ ارحم الرحمین جب کسی کی ایک معمولی نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور اس پر عفو و کرم کے دریا بہا دیتا ہے تو اس شخص پر کیا کیا فضل و کرم کرے گا۔ جس نے ساری عمر میں اس نیکی جیسی لاکھوں نیکیاں کیں پس ایسے کریم وجوادِ مطلق آقا کے در سے کیوں نہ لپٹ جائیں اور اس میں بھی وہ اصل بات پھر بھی وہی رہی کہ اس کا فضل کسی نیکی پر ہی تو ہوا۔ لہٰذا اس میں نیکی کرنے کی اور پھر اللہ کے فضل کی امید رکھنے کی ترغیب ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

اس کے برعکس بعض ایسے واقعات ہیں کہ عمر بھر نیکی کرنے والے کو کسی ایک برائی پہ عذاب ہوا۔ چنانچہ گمراہ لوگ ایسے واقعات کو اس نہج سے بیان کرتے ہیں کہ لوگ بددل ہو جاتے ہیں حالانکہ اس میں بھی وہی اصول قائم رہا کہ آخر اس کا غصہ کسی برائی پر ہی تو ہوا کسی نیکی پہ غصہ کا ذکر نہیں اور اس میں عبرت یہ ہے کہ ہر برائی سے بچو۔ معلوم نہیں کون سی برائی پہ عتاب ہو جائے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا۔ جو ساری عمر اس جیسی لاکھوں برائیاں کرتا رہا ہے۔

## فضل کے معنی

فضل کے معنی انعام کے ہوتے ہیں اور انعام اس شخص کو دیا جاتا ہے جو فرمانبرداری اور بہادری کرتا ہے۔ لہٰذا محنت و جد و جہد کرنے والے ہی فضل کے زیادہ مستحق ہیں اور اس کا فضل ہی تو ہے کہ وہ ہمارے ناقص اعمال کو اپنے عدل سے قبول کرتا اور پھر اپنے فضل سے ایک ایک عمل پہ بے شمار انعام و اکرام فرما دیتا ہے۔ ورنہ ہماری تمام عمر کی نیکیاں تو جنت کی ایک نعمت کا بدل بھی نہیں ہو سکتیں اور پھر حقیقت تو یہ ہے کہ نیک اعمال کا نصیب ہو جانا بھی تو اس کا فضل ہی ہے۔

اسی چیز کو اللہ تعالےٰ نے سورہ شوریٰ میں اسطرح ارشاد فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ روضات الجنّت لَهُمْ مَا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذالك هو الفضل الْكَبِيْرُ ذالك الذى يبشر اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ آمنوا وَعملوا الصالحات٥

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے وہ جنت کے باغیچوں میں ہوں گے ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں ان کے رب کے ہاں اور یہ بہت بڑا فضل ہے اس چیز کی اللہ ان لوگوں کو بشارت دیتا ہے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیئے بخشش کا اور اجر عظیم کا۔ غور فرمائیں سارا قرآن تو وعدہ ایمان والوں اور اعمال صالحہ والوں سے کرتا ہے اور یہ کوئی دنیاوی جھوٹے معشوقوں کا وعدہ تو ہے نہیں۔ کہ وعدہ کہیں تو دیدار کہیں۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

## اللہ تعالےٰ کن لوگوں کا ساتھی ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ اور بیشک اللہ احسان کرنے والوں کا ساتھی ہے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سُنا ہے کہ "اجی کیا معلوم اس کی بارگاہ میں کون مقبول ہے۔ اور ایسے کہنے والے اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو فریب خوردہ ہیں شیطان نے ان کو یہ چکمہ دیا ہے کہ تو فکر نہ کر باوجود بدکار ہونے کے تو ہی اللہ کا پیارا ہے اور جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ سے دور ہیں۔ استغفر اللہ قرآن مجید میں تو یہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔

بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ بیشک اللہ اس پر بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ بیشک اللہ ایمان والوں کا ساتھی ہے۔ بیشک اللہ تقویٰ والوں کو دوست رکھتا ہے۔

## کسی جگہ فاسقوں سے محبت کا ذکر نہیں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

اللہ فاسقوں کو کبھی ہدایت مند نہیں کرتا۔ اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت والا نہیں کرتا۔

بعض لوگوں کو جب عمل میں جدوجہد کرنے اور برائیوں سے کمال اجتناب کا بیان سنایا جاتا ہے تو وہ اکثر مغفرت ورحمت کی آیات سنانے لگتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے نا اُمید ہونا گناہ کبیرہ اور کفر ہے۔ حالانکہ جو گناہوں کی وجہ سے نا اُمید ہو گئے اور گمان کر لیا کہ ہم تو بہت گناہ کر چکے۔ ہم اب کسی صورت میں بھی بخشے نہیں جا سکتے۔ اللہ اُن کو اُمید دلاتا ہے۔ کہ تم نا اُمید نہ ہو۔ گناہوں سے توبہ کرکے چلے آؤ۔ اعمال صالحہ اختیار کر لو۔ میں تمہارے سب گناہوں کو بخش دوں گا۔ اور اپنی آغوش میں لے لوں گا۔ پھر بھی ہمارا بیان ثابت ہو گیا کہ وہ مغفرت کس لیے ملی؟ توبہ کرنے۔ معافی مانگنے۔ گناہوں کو ترک کرنے نیکی کا عزم کرنے پر ہی تو ملی۔ لہٰذا ہمارا دعویٰ پھر بھی ثابت رہا۔

کتنی واضح بات ہے اس کے بعد بھی جو کوئی اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالے اسکا وبال اسی پر ہے۔

## خطرے میں نہ رہو

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی دہریہ نے پوچھا تھا کہ کیا آپ کے پاس قیامت کے بعد اعمال کے حساب ہونے کا کوئی ثبوت ہے آپ نے فرمایا معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا میں سچا ہوں یا تو! فرمایا اگر میں سچا ہوا اور اعمال کی جزاء و سزا ہوئی تو ہم دونوں میں سے کون بری ہوگا۔ اُس نے کہا "آپ" پھر آپ نے فرمایا اگر تو سچا ہوا اور اعمال کی جزاء و سزا نہ ہوئی تو کون بری ہوگا۔ کہنے لگا ہم دونوں بری ہوں گے تو آپ نے فرمایا ہر دو حال میں کون بری ہوگا اُس نے کہا "آپ" آپ نے فرمایا خطرے میں کیوں رہتے ہو۔ ایسی راہ اختیار کرو کہ جو بھی صورت حال ہو تم کو کوئی خطرہ نہ ہو وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔

دوستو! عمل میں کبھی کوتاہی نہ کرو۔ بلکہ ایسے انسان کے پاس بھی مت بیٹھو جس کی صحبت سے عمل میں سرد پیدا ہو۔ بلکہ ہمیشہ عزیمت کو اختیار رکھو اور رخصت سے بچتے رہو۔

آقائے کل ہادی سبل صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم ارشاد سنیں جس کو محدثین علیہم الرحمۃ نے مہمات حدیث سے قرار دیا ہے۔

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا مُتَشَبِّهَاتٌ لَا یَعْلَمُهَا کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ کَرَاعٍ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یُّوَاقِعَهٗ اَلَا وَاِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی اَلَا اِنَّ حِمَی اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو کوئی شبہ کی چیزوں سے بچے اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو بادشاہ کی محفوظ زمین کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے قریب ہے کہ وہ اس محفوظ کی گئی زمین میں جا گھسیں خبردار ہر بادشاہ کی محفوظ کی گئی ایک جگہ ہوتی ہے اور اللہ کی محفوظ کی گئی جگہ اس زمین میں وہ امور ہیں جن سے اس نے منع کیا ہے۔ خبردار بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سدھر جائے تو سارا بدن سدھر جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے ہاں تو وہ دل ہی ہے۔

یہ حدیث بے شمار مسائل دینیہ پر مشتمل ہے۔ لیکن جو چیز مجھے اس وقت عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس فصاحت و خوبی سے امت کو مشتبہات سے بچنے کی تاکید فرمائی اور اسی کو ایمان و آبرو بچانے کا طریقہ فرمایا اور ہر وقت عزیمت اور ورع و تقویٰ کی راہ کو اختیار کرنے کے سبق کو دل نشین کر دیا ہے اور آخر میں یہ جو فرمایا کہ بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب سدھر جائے تو سب بدن سدھر جاتا ہے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ عزیمت کی ترک اور رخصت پر عمل کرنا دل کی بیماری ہے۔ جیسے بیمار قریب ہے کہ مر جائے۔ اسی طرح

شبہات کا خوگر قریب ہے۔ کہ حرام میں جا پڑے۔

لفظ محسنین کی تشریح میں مختصر کہنا چاہتا ہوں (کیونکہ اس کے متعلق تو اکثر عرض کرتا رہتا ہوں) کہ حدیث جبریل میں جسکو محدثین کرام نے اُمّ السنۃ فرمایا یعنی جسطرح سورہ فاتحہ قرآن مجید کے تمام اہم مطالب و مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کیوجہ سے ام الکتاب ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی جامعیت کی وجہ سے ام السنۃ کہے جانے کی مستحق ہے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایمان و اسلام اور احسان کے متعلق سوالات کیے تھے تو ارشاد نبوی ہوا کہ مرتبہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو اس طرح عبادت کر گویا کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ دراصل یہی تصوف یا مقصود تصوف ہے بلکہ صوفیائے متقدمین تو تصوف کی بجائے لفظ احسان ہی استعمال فرماتے تھے۔

عبادت سے مراد گو نماز بھی ہے۔ لیکن تمام وہ امور جو رضائے خداوندی کے لیے کیے جائیں عبادت ہی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک حال ہے جو نماز اور خارج از نماز بندہ کو کمالِ ایمان و اسلام کے بعد حاصل ہوتا ہے اور وہی صوفی ہے لہٰذا محسنین کے زمرہ میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان و اسلام کی تکمیل ایسی کرے کہ اس میں روح احسان پیدا ہو جائے اور اس کی نماز اس کے مرتبہ کی آئینہ دار ہو جائے

لنھدینھم سے اصل میں ارشاد اس طرف ہے کہ جب کوئی ہماری راہ میں مجاہدہ و ریاضت کرے گا۔ عبادت میں اپنے آپ کو گداز کر دے گا تو ہم اسکو علوم کشفی سے آگاہ کر دیں گے یہی مقصود طریقت ہے جیسے کہ امام طریقہ خواجہ خواجگان خواجہ نقشبند بخاری علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ طریقت سے مقصود یہی ہے کہ ایمان تقلیدی کشفی ہو جائے۔ اور یہی مرتبہ احسان ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

# خطبہ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ ۸ر اکتوبر ۱۹۶۷ء بروز اتوار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم ٥ ذالك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين الذين يومنون بالغيب ويقيمون الصلوٰة ومما رزقنهم ينفقون والذين يومنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك ج وبالاخرة هم يوقنون اولٰئك على هدى من ربهم واولٰئك هم المفلحون ٥

الم ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کی تاویل اور اس کے اسرار کو اللہ اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتا ہے۔ ہم اپنی عقل کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر قربان کرتے ہیں۔

ذالك الكتاب لا ريب فيه یہ وہ عظمت والی کتاب ہے۔ جس میں کوئی شک کوئی ریب یعنی کھٹک نہیں۔ عین فطرت کے مطابق ہے کہ عقل سلیم کو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔

فطرة الله التى فطر الناس عليها۔

* جس طرح کسی سانچے میں ڈھلی ہوئی چیز کے سامنے جب وہ سانچہ لایا جائے تو بے روک ٹوک اس کے موافق بیٹھے گا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان تکبر و شقاوت اور حسد و عداوت سے پاک ہے تو بے کھٹک کتاب قبول کرے گا

**ھدی للمتقین** ۔ یہ ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے معلوم یہ ہوا کہ قرآن مجید سے ہدایت حاصل کرنے کیلئے تقویٰ شرط ہے جس طرح دیکھنے کیلئے آنکھ سننے کے لیے کان سونگھنے کے لیے ناک کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے تقویٰ کی ضرورت ہے جب تک خوف خدا انسان کی تمام سرکش قوتوں کو مائل باطاعت نہ کرے۔ قرآن کا نور انسان کے دل میں اترتا ہی نہیں۔

**الذین یومنون بالغیب** ۔ یعنی متقین کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اس کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ وہ بن دیکھے اللہ اور رسولؐ کے فرمان پر ایمان لے آتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ان چیزوں کو جو دائرہ حواس سے باہر ہیں یعنی غیب ہیں مانتے ہیں

**ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون** اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ۔ یعنی قرآن ان متقین کیلئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لانے کے بعد (جو حقیقت میں روح و قلب کا تقویٰ ہے) اپنے جوارح سے اللہ کے حضور اپنی عاجزی و نیازمندی کے اظہار کیلئے نماز قائم رکھتے ہیں اور مالی عبادت یوں بجا لاتے ہیں کہ وہ اس مال کو اللہ کا دیا ہوا جان کر اس کی راہ میں اس کی خوشنودی کیلئے خرچ کرتے رہتے ہیں ۔ یا یوں کہیئے کہ یہ قیام نماز اور انفاق مال ایمان بالغیب یعنی روح و قلب کی صحت کی علامتیں ہیں ۔

**والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک**

یعنی تقویٰ والے وہ ہیں جو نماز کے قیام اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو اسے محبوب آپ پر نازل کی گئی اور اس پر جو آپ سے پہلے نبیوں پر نازل ہوئی ۔ قرآن اور صاحب قرآن کے ساتھ جو سابقہ انبیا ، و کتب کو ماننا ہدایت و تقویٰ کے لیے ضروری بتایا

گیا ہے اس میں یہ راز ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نئی چیز دنیا کے سامنے رکھی ہے قل ماکنت بدعا من الرسل فرما دیجئے میں کوئی نیا ہی رسول نہیں ہوں بلکہ یہ سلسلہ روز آفرینش سے جاری وساری ہے ہر زمانہ میں نبیوں پر ہدایت خداوندی کا نزول ہوتا رہا ہے اور یہ ایک ایسا عروۃ الوثقیٰ اور سلسلۃ الذہب ہے کہ ان سب کی تعلیمات کے اصول یکساں ہیں یہ سب اللہ کے فرستادہ ہیں ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مصدق و مصدوق ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا پہلوں نے پچھلوں کے آنے کی خبر دی اور پچھلوں نے پہلوں کی تصدیق کی۔ دنیا میں اتنا بڑا اور کوئی سلسلہ ہدایت نہیں ہے جو ایک دوسرے کے اصولوں پر اس طرح متفق و متحد ہوں معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ بڑے زبردست علیم قدیر کی طرف سے ہے جس نے ان کی پیدائش سے پہلے ہی ان کو اس کام کے لیے چن لیا تھا۔

دنیا میں کوئی سلسلہ ہدایت ایسا نہیں ہے جس کے پہلوں نے آنے والوں کی بشارت دی ہو اور پچھلوں نے پہلوں کی تصدیق کی ہو لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ ایک ہی مرکز کا دائرہ اور ایک ہی اصل کی فرع ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار پورے دائرہ کا انکار ہے لہٰذا اس سلسلہ نبوت کی صداقت پر دلیل عقلی بھی قائم ہوئی کیونکہ اس تواتر و شہرت کے بعد انکا جھوٹا ہونا محال عقلی ہے فللہ الحمد کہ نبیؐ کا تعدد ایمان بالغیب والا بھی ہے اور صاحب استدلال بھی جب نبوت دلیل سے ثابت ہوگئی تو نبی کی تمام تعلیمات پر جو اس کی فرع ہیں دلیل قائم ہوئی۔

لہٰذا نبی کا کلمہ ہی وہ شجرہ طیبہ ہے جس کی اصل غیب میں ثابت ہے کیونکہ اصل ہمیشہ غائب ہوتی ہے اور فرع یعنی اس کے ثمرات و فیوضات پر براہین علیمیہ یعنی معجزات و کرامات اور مشاہدات مبشرات سے آسمانِ علم بھرا پڑا ہے۔ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء" وبالاخرۃ ھم یوقنون" اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں" آخر میں مکرر فرمایا کہ قرآن سے ہدایت پانے

والوں کو آخرت پر یقین ہوتا ہے اگر آخرت پر یقین بڑھتا جائے گا تو ہدایت بھی بڑھتی جائے گی۔
ایمانی نظر و فکر اور کافرانہ نظر و فکر کا اختلاف یہیں سے شروع ہو جاتا ہے آج کی مجلس میں بندہ جو خاص بات دوستوں کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے وہ انہی دو مختلف فکروں میں تمیز کرانا ہے۔
کافر کا فکر مادیت کے دائرہ سے باہر نہیں جاتا اور اپنے مادی حواس کے سوا کسی چیز کو ذریعہ علم نہیں جانتا بلکہ حواس خمسہ کے باہر کی چیز کو وہم خیال کرتا ہے۔

فلسفی اسی لیے غیب کی چیزوں کا انکار کرتا ہے کیونکہ غیب کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو حواس انسانی میں نہ آسکے اسی لئے آخرت اور اس کے متعلقات کا انکار کرتا ہے اہل فلسفہ حکما اور سائنس دانوں کا علم کے بارے میں یہی اصل طریقہ ہے اور اسی کو عین عقل جانتے اور غیر مدرک اور غیر محسوس کو ماننا غیر معقول جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اصول ہی غلط ہے یہ تو درست ہے کہ غیب کی چیزیں مثلاً ذات باری تعالے ملائکہ جزا و سزا آسمانی کتابیں اور رسولوں کی رسالت یہ سب غیر محسوس اور غیر مدرک تو ہیں لیکن یہ کیسے لازم آتا ہے کہ یہ غیر معقول ہیں غیر معقول تو تب ہوں کہ عقل انسانی اسکو محال سمجھے حالانکہ ایسا نہیں۔ کیا اس پُر از حکمت کارخانۂ عالم کا ایک پیدا کرنے والا ہونا غیر معقول بات ہے؟ اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ
کیا وہ بغیر کسی چیز کے پیدا کیے پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود خالق ہیں؟ یا اس کارخانہ قدرت میں امور کو سرانجام دینے کیلئے خدم و حشم کا ہونا غیر معقول ہے؟ کیا اعمال کی جزا و سزا ملنا عقل کے خلاف ہے؟ کیا اس غیب الغیب ذات اور "مادہ کے اندر محدود مخلوق" کے درمیان کسی رابطہ یعنی سلسلہ نبوت کا ہونا محال ہے؟ وَعَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۔ اور انہوں نے اس بات کو عجیب سمجھا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈر سنانے والا آگیا اور کافروں نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔

جب یہ سب چیزیں عین عقل کے مطابق بلکہ ضروری ہیں تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے علوم

غیبیہ غیر محسوس و غیر مدرک تو ہیں لیکن غیر معقول نہیں ۔ یہ ہمارے حواس کا قصور ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ چیزیں جنکو انبیاء علیہم السلام کے لطیف حواس ادراک کر لیتے ہیں ان کو ہم ادراک نہیں کر سکتے ۔ عالم شہادت میں سینکڑوں ہی ایسی مثالیں ہیں کہ ہمارے حواس میں ایک بات نہیں آتی لیکن ہم ان کو مانتے ہیں تقریباً تمام علوم و فنون میں چند ایسی مسلمات و کلیات ہوتی ہیں جن کو اس علم و فن کے ماہر پر اعتماد کر کے ہم بغیر تحقیق کے مان لیتے ہیں مثلاً بچہ کو یہ بتایا جاتا ہے کہ ۵ × ۷ = ۳۵ تو وہ اسی طرح کہتا رہتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ خود اس کا تجزیہ و تحقیق کر لیتا ہے ۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام نے چند اصول بیان فرمائے ہیں کہ ان کو بلا چون و چرا تسلیم کر لو جب آخرت میں تمہیں وہ لطیف حواس ملیں گے ۔ جو ہمیں اس جہاں میں ہی دیئے گئے ہیں تو ان علوم غیبیہ کا مشاہدہ کر لو گے ۔ تو غیب پر ایمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا عقلاً جائز ہوا گو ہمارے ادراک سے باہر ہے ۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ دین عقل سے باہر ہے یہ کہنا نہیں چاہیئے دین عین عقل بلکہ عقلِ کامل ہے اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ عقل کو برا مت کہو عقل تو میں ہوں ۔ اسی لیے علماء نے اس تخصیص کی وضاحت کیلئے عقل معاش اور عقل معاد کی اصطلاحیں وضع فرمائی ہیں ۔

ایمان بالغیب کا تعلق دین کی مغیبات سے ہے لیکن دین کا بیشتر حصہ ان احکام پر مشتمل ہے جو ہماری ادراک و احاطہ عقل میں آ سکتے ہیں اور ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت بھی دی گئی ہے بلکہ اس بات پہ زور دیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو ان اصول میں راسخ الاعتقاد ہو گئے ہیں جنکا فکر ان عقائد غیبیہ کے نور سے منور ہو چکا ہے حسب ضرورت اپنی زندگی کا لائحہ عمل خود پھیلا لیں ۔

لیکن ایک نشان مقرر کر دیا ہے کہ فکر سلیم والا متشابہات سے گزرتا ہے تو ان کی تاویلیں معلوم کرنے کی بجائے اس کے سامنے عجز و اعتراف کا سر جھکا دیتا ہے اس کا نام قرآن نے جہل نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے ۔

اس کے برخلاف متشابہات میں تاویلیں ڈھونڈنے کے درپے ہونے والے کو محقق و مفکر نہیں کہا گیا بلکہ زیغِ قلب اور دل کی کجی کہا ہے انداز فکر یہ ہونا چاہیے کہ محکمات کی روشنی میں متشابہات کو دیکھے نہ کہ محکمات سے ہٹ کر اس کو اپنی عقلِ ناقص یا عقلِ معاش کے ترازو میں تولنے لگے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے آیات محکمات انسانی عقل کی کمزوریوں کو رفع کرنے کے لیے ہیں یہ پانچ خصلتیں بیان فرما کر ارشاد فرمایا اولٰٓئِکَ علٰی ھُدًی من ربھم واولٰٓئِکَ ھم المفلحون۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

یعنی جن میں مذکورہ بالا عقائد و اعمال اور نظریات و افکار ہوں گے وہی ہدایت والے ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

لفظ اولٰٓئِکَ اور اسکا تکرار حصر کیلئے ہے پس ثابت یہ ہوا کہ ہدایت و فلاح انبیاء کے وسیلہ کے بغیر متصور ہی نہیں اور صاف ظاہر ہے کہ اگر ممکن ہوتی تو وہ فلاسفہ و حکماء اور مفکرین و سائنسدان جنہوں نے عجائبات عالم کی طلسم کشائی اور کائنات کے مخفی اسرار کو دریافت کیا اور طرح طرح کی ایجادات سے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کر دیا۔ معرفت خداوندی کی کچھ تو خوشبو پا لیتے۔ تعلق باللہ کی کسی کیفیت کی خبر تو دیتے یا اس جہان کے اعمال کے اثرات جو اُخروی دنیا میں مترتب ہونے والے ہیں ان کا کچھ تو پتہ بتاتے لیکن واقعہ اس رسی بٹنے والی کی طرح ہے کہ جوں جوں بٹتا جاتا ہے استاد سے دُور ہوتا جاتا ہے یا وہ شخص جس کا رخ منزل سے ہٹا ہوا ہو جتنا چلے گا منزل سے دُور ہوتا جائے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ عظیم الشان کام جس کے ساتھ انبیاء علیہم السلام ممتاز ہیں۔ عقل معاش کی کمند سے ماوراء ہے اور وہاں کسب کو کوئی دخل نہیں جس طرح حیوان کوشش سے انسان نہیں بن سکتا۔ اسی طرح کوئی انسان اپنی کوشش سے نبی نہیں بن سکتا۔ جس طرح قدرت نے انسان کو عقل و شعور کی وجہ سے حیوان پر فضیلت دی ہے اسی طرح نبی کو غیر نبی پر وحی و عصمت کی وجہ سے فضیلت بخشی ہے نورِ وحی نورِ عقل سے ماوراء ہے۔ دلائل عقلیہ گو حجت ہیں لیکن حجتِ بالغہ

نہیں۔ وہ فقط انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہی ہو سکتی ہیں۔ جن کو انھوں نے حریم قدس سے اخذ کیا ہے اور جن کی مشکوٰۃ نبوت کو ہوائے نفسانی اور القائے شیطانی کی گرد اور دھواں نہیں لگا۔

ے وہ کمال حسن حضورؐ ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں!
یہی پھول خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی شرائع کو نفس و شیطان کی ظلمتوں کے استیصال کے لیے مکمل اور جامع نسخہ بنایا ہے اس لیے ہر زمانہ میں فریب خوردہ انسانوں نے انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں سے گریز کیا اور شیطان نے طرح طرح کی ملمع کاریوں سے اس سے روکا ہے۔

قرآن مجید نے حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کے واقعہ کو مختلف جگہ پر مختلف انداز وں میں بیان کیا ہے اور ہر جگہ ایک نیا سبق دیا ہے کسی جگہ یہ ثابت کیا ہے کہ فضیلتِ آدم تعلیم ربانی کی وجہ سے ہے۔ وعلم اٰدم الاسماء کلھا کسی جگہ اس کے پھسلنے کے بعد سنبھلنے کا ذریعہ الہام خداوندی ثابت کیا ہے فتلقی آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ جب روزِ اوّل سے ہی تلقّیٔ ربانی سے نجات پائی ہے تو اب بھی وہی ذریعہ نجات ہو سکتا ہے۔

کسی جگہ خبردار کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور وہ تمہارے لباس کو کھینچ کھینچ کر اتروا دینا چاہتا ہے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ سے کیا۔

یبنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنھما لباسھما لیریھما سوٰاتھما

اے آدمؑ کی اولاد خبردار! کہیں تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا اس نے ان کے لباس کھینچ اتارے تاکہ ان کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں نظر آئیں۔

اس ذکر سے صرف یہ مقصود ہے کہ شیطانی فکر اور رحمانی فکر کی پہچان ہو جائے شیطان یہ چاہتا ہے کہ تم کو برائی اور بے حیائی میں مبتلا کرے اور تمہارے لباسوں کو ایسے کھینچے کہ تمہاری شرم

کی چیزیں ایک دوسرے کو نظر آنے لگیں۔ اسی پر قیاس کر لیں کہ جس تہذیب و تمدن اور ثقافت میں شرم کی چیزوں کا عریاں ہونا اور بے حیائی کے کام ہوں وہ فکر شیطانی کی پیداوار ہیں اس پر کوئی اگرچہ ہزار ہا عقلی دلائل دے تو بھی اس کو کبھی فکر نبوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس زمانے کے سب سے بڑے فتنوں میں سے یہی فتنہ ہے کہ شیطانی فکر کے لوگ ہوا و ہوس کے پجاری ہر قسم کی برائی کو اپنانا تو در کنار اسکو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں اللہ ان کو انصاف دے کتنی بری بات منہ سے نکالتے ہیں۔

كبرت كلمة تخرج من افواههم

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس قلبی بیماری کو ان لفظوں میں بیان فرمایا۔

واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اباءنا والله امرنا بها قل ان الله لا يامر بالفحشاء

جب ان کو کہا جاتا ہے کہ تم اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی تو کہتے ہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے فرما دیجئے کہ اللہ تو بے حیائی کا حکم نہیں کرتا۔

پچھلے دنوں یہ فقیر اپنے ایک عزیز کا نظریہ حیات پر لکھا ہوا ایک مضمون پڑھ رہا تھا جس میں انھوں نے اس امت کے زوال کے وجوہات پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں میں چونکہ ماضی کی طرف دیکھنے کا میلان رہا ہے اس لیے یہ میلان بڑی آسانی سے قدامت پسندی کی طرف لے گیا اور پھر اس پہ انھوں نے یہ آیۃ چسپت کر دی۔ وہ اس سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ جس طرح باپوں کی اتباع کی وجہ سے کافر گمراہ ہوئے اسی طرح مسلمان بھی چونکہ اپنے اسلاف کی تابعداری کے بڑے پابند ہیں اس لیے نئے نئے افکار سے متفق نہیں ہوتے۔

اللہ اکبر مجھے اللہ کی صفت ہادی کے ساتھ صفت مضل یاد آئی۔ یہ سب انداز فکر کی خرابی کا نتیجہ ہے قرآن نے تو ان کافروں کا ذکر فرمایا جن کے پاس علم یعنی تعلیم نبی نہ تھی صرف ان کے باپ دادے

کے افکار و اوہام اور ظنیات تھے ان کو جب علم خداوندی کی طرف بلایا جاتا تو وہ اپنے باپوں کے ظنیات پر اڑے رہتے اب اس آیتہ کا اطلاق تو دراصل انہی لوگوں پر ہوتا ہے کہ جب ان کو قرآن و سنت کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ اپنی ظنیات کو علم کے مقابلے میں حجت لاتے ہیں۔ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون دوسری بات یہ کہ ماضی کی طرف دھیان کرنا قدامت پسندی نہیں ہے۔ بلکہ یہی صحیح ما انزل اللہ کی پیروی ہے۔ ہاں مادی معاملات میں قدامت پسندی مذموم ہے لیکن مذہبی معاملہ میں معاملہ برعکس ہے مادی معاملہ میں چونکہ سلسلۂ ارتقا جاری ہے ہر آخری تحقیق بہترین ہوتی ہے اسی وجہ سے ہی تو جدت پسندی محمود ہوئی لیکن دین کے انتہائی عروج کا زمانۂ مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم الیٰ دیناً۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔ بہترین دور میرا دور ہے پھر وہ لوگ جو ان سے ملتے ہیں پھر وہ جو ان سے ملتے ہیں۔

تو دین کے معاملہ میں لیٹسٹ ریسرچ وہی ہے جو خیر القرون میں ہوئی لہٰذا مادیت میں اگر لیٹسٹ ریسرچ اپنانا محمود ہے تو دین کے معاملہ میں اولین تحقیق بہترین و افضل اور خیر و محمود ہوئی۔ میں کہوں گا کہ مسلمانوں کا وقار اسی وقت تک رہا جب تک یہ قرآن و سنت کی طرف دیکھتے رہے اور اپنے اسلاف کے مسلک پر ڈٹے رہے جب سے شیطانی فکر نے ان کو اس مرکز سے جدت کے چکر سے ہٹایا ہے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ واللہ امرنا بھذا سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان یہ بھی کہا کرتا ہے کہ تم اپنی ظنیات ذہنک جدیدیوں کو عین خدا کا فرمان ہی ثابت کرتے رہو۔

الغرض شیطانی فکر کی ایک علامت گناہ اور بے حیائی ہوئی جس میں یہ چیز پائی جائے وہ قرآنی ہدایت سے دور ہے اس کی کسی بات کو نہ سننا چاہیئے اب نبوی فکر کا انداز ملاحظہ فرمائیں کہ وہ حیا کو ایمان اور بے غیرتی کو ایمان کے منافی جانتا ہے اس کے فکر میں ایک پہلی اچانک نظر کے بعد دوسری قصداً

نظر برائی ہے اور نامحرم پر زینت کا ظاہر کرنا حرام ہے اب یہ دونوں فکر ہم آہنگ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ نبوی فکر سے عاری لوگ یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ آجکل اقدار بدل گئی ہیں حاشا وکلا اقدار نہیں بدلیں افکار بدل گئے ہیں۔ کیا آج بھی فطرت وہی نہیں؟ یہ درست ہے کہ مادی تقاضے بدلا ہی کرتے ہیں لیکن اللہ کے احکام بدلنے اور اصول دین اور حلال و حرام بدلنے کا جواز کہاں سے نکل آیا۔ شیطانی فکر والے اس دھوکہ کیلئے اکثر فقہاء کی مثال دیا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرات فقہاء کرام کے مسند نشین جانتے ہیں

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

خدا ان کو انصاف دے اُن کی مقدس روحیں تو عشق نبوی میں ڈوبی ہوئیں ان کے افکار فکر نبوی سے ہم آہنگ، نفسانی کدورتوں سے پاکیزہ، تبحر علمی کے ساتھ تقویٰ و ورع بے مثال اور ادھر آجکل کے مفکر۔ تقویٰ سے عاری، نماز روزہ غائب، آخرت سے بے خبر، دنیا کے پوجاری، فاسقانہ شکلیں، خدا کا خوف کہ وہ اسکی بارگاہ میں باز پرس سے ڈرے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح دین کا حلیہ نہ بگاڑو آجکل جدت پسندوں کا شاہکار تو یہ ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی سب چیزیں آج حلال کر دیں، شراب حلال، سود جائز، جنسی آزادی، روشن خیالی، جھوٹ، مکر و فریب آرٹ رشوت چالاکی ہے اور یہ تازہ ترین فتویٰ ملاحظہ ہو کہ غیر مسلم کا بے تکبیر مشین سے کاٹا ہوا جانور حلال، خدا کے لیے بتاؤ کہ پھر حرام کیا رہا۔ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ جو جی چاہے کرو، سب کچھ جائز ہے، کہاں کا ڈر اور کہاں کا حساب۔ یہ سب کچھ پتہ دیتا ہے کہ تمہارے اندر کا فرانہ فکر ہے۔ نہیں تو آؤ اس کسوٹی پر اپنے آپ کو رگڑ کر دیکھو جو قرآن نے ہدایت کیلئے بیان فرمائی ہے۔

دوسرا فرق ملاحظہ ہو کہ کافرانہ فکر میں تکبر ہوتا ہے اور نبوی فکر میں عاجزی تواضع اور بندگی تا استکبر وکان من الکافرین یہ کافرانہ فکر کی اصل ہے۔ ادھر تعلیمات نبوی شروع ہی یہاں سے ہوتی ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ ہے اسکی بلند نظری اور فکر رسا کہ وہ اس کارخانہ عالم کے اندر خالق

کی ربوبیت وقدرت کو مشاہدہ کرکے اسکی حمد کرنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو اس ذات کا بندہ ومحتاج جان کر جھک پڑتا ہے فلسفی ذہن کیلئے یہ کام بڑا مشکل ہے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کون رب اور کیسی ربوبیت۔ اس مادہ سے میں خود رزق حاصل کرتا ہوں کھاتا پیتا ہوں اور مرجاتا ہوں۔ قرآن نے ان کے اس فکر کو ان لفظوں میں بیان کیا۔

وقالوا ان هی الا حیوتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدهر

اور کافروں نے کہا کہ نہیں ہے یہ مگر دنیا کی زندگانی ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں نہیں ہلاک کرتی مگر گردش زمانہ۔

نبی کی نظر اثر سے موثر تک پہنچتی ہے لیکن فلسفی فقط مادیت میں گرفتار رہتا ہے۔

کلا لو تعلمون علم الیقین۔ نبی کا فکر یہ کہتا ہے۔ یا ایها الناس انتم الفقراء الی الله والله هو الغنی الحمید۔ فلسفی فکر کیلئے یہ بڑا مشکل ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا محتاج مانے کیونکہ تکبر کا خاصہ ہے۔ حکماء میں بہت سے لوگوں نے باری تعالےٰ کا اقرار بھی کیا لیکن وہ اللہ کو اس عالم میں مختار وحاکم ماننے سے گریز کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو کر ایک نیا معبود عقل فعال کو بنالیا ہے کہ بس عقل فعال ہی کارفرما ہے اسی چیز کی اصلاح کے لیے اللہ تعالےٰ نے انبیاءؑ کو معجزات عنایت فرمائے ہیں تاکہ اللہ کی قدرت کو مانیں۔ اور ہر کام کو اللہ کی طرف لوٹائیں اور نفع ونقصان میں اللہ کی طرف شکر وصبر سے متوجہ رہیں اس لیے نبی کا تابعدار اپنے احوال میں اللہ کی قدرت واختیار اور قضاوقدر کا معتقد ہوتا ہے اور شیطانی ذہن اپنی تدبیر کی کامیابی کے زعم میں اس پر ٹھٹھا کرتا ہے لیکن اس بحث سے وہ لوگ خارج ہیں جو حکم خداوندی کے مطابق اسباب میں سعی پوری نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو نشان بنا کر سچوں کو جھٹلانا حماقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نہ صرف ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کی ہے نہ اسباب وعلل کو خدا بنا لینے کی بلکہ سعی اور توکل کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس تعلیم

کا فائدہ اگر اور کچھ سمجھ میں آئے تو بھی یہی فکر یقیناً انسان کے لیے فائدہ مند ہے کہ جب اس کی تدبیر اللہ کی قدرت سے کامیاب ہو جائے تو بجائے اپنی پرستش کے خدا کے حضور جھکے اور جب اس کے خلاف ہو تو بددلی اور ناامیدی کی کلفت کے بارے اس طرح خلاصی پائے کہ "اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔" شتّان ما بینھما۔ معجزات اور خوارق عادات جو ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام سے ظہور پذیر ہوتے رہے ان کے دوسرے مقاصد کے ساتھ یہ بھی ایک مقصد تھا کہ ثابت ہو جائے کہ کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جس نے اس عالم کون و فساد کو اپنی کمالِ حکمت سے سجایا ہے۔ انا کل شیء خلقناہ بقدر وہ قدروں کا مقید نہیں اس کی قدرت ان کی خالق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ اس فلسفہ و حکمت کا زور تھا اس لیے اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو عادتِ مستمرہ کے خلاف پیدا کیا اور ان کے ہاتھ پر وہ معجزات ظاہر فرمائے جن میں حکماء عاجز تھے۔ آج بھی جن ذہنوں کو طبعًا اس کا فرانہ فکر کی طرف میلان ہوتا ہے وہ فلاسفہ کی تقلید میں معجزات و کرامات اور خارق عادات کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ مستقل ایسے فرقے پیدا ہو گئے جن کا طرۂ امتیاز ہی معجزات کا انکار ہے اور اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا۔ حالانکہ ذہنی طور پر دشمنانِ انبیاء کے غلام ہیں اور اس امت میں سب سے پہلے یہ نامبارک اقدام فرقۂ معتزلہ نے کیا جس کا امت نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے رد کیا ہے ان کا فکر و ذہن یہ تھا کہ ہم دوسری اقوام عالم کو خوش کرنے کے لئے تعلیماتِ نبوی میں ایسا جوڑ توڑ کریں جس سے ہم ان کو یہ بتا دیں کہ ایمان بالغیب سے کیوں ڈرتے ہو یہ اسی طرح کی باتیں ہیں۔ جیسی تمہارے مقتدا حکما اور فلاسفہ کہا کرتے تھے۔ خدا اس ذہنیت کے لوگوں سے زمین کو پاک کرے ان بدبختوں نے نبی کے مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انکو بدعمل فاسق فلاسفہ کے برابر دکھایا حالانکہ اس بے بصیرت گروہ کو انبیاء کے مقدس گروہ سے کیا نسبت۔ ان کا مقصود اور۔ اُن کا مقصود اور۔ ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

یہاں ایک "نبی و رسول" اور "فلسفی و حکیم" کے درمیان امتیاز کرلینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے نبی کے علوم کا مبداء و ماخذ اور سرچشمہ تعلیم ربانی ۔ شرح صدر اور وحی والہام ہوتا ہے جو خطا سے محفوظ و معصوم ہوتا ہے لیکن حکیم کے علم کا ماخذ تعلیم انسانی ۔ گذشتہ تجربہ اور حواس کی لطافت اور فہم و قیاس ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ حکیم عقل معاش سے جانتا ہے اور نبی خالقِ عقل سے ۔

نبی جو کہتا ہے اس پر عمل بھی کرتا ہے اور جلوت و خلوت اس کی یکساں ہوتی ہے لیکن فلسفی میں یہ بات کہاں وہ فلسفہ اخلاق پر بڑے بڑے لیکچر تو دے سکتا ہے لیکن عملی زندگی میں بالکل لنگ ہوتا ہے ان کے فلسفہ کی چمک دمک درسگاہوں تک محدود ہوتی ہے ۔ لیکن جب عام انسانی صحبت میں آتے ہیں تو عوام سے بھی بدتر ہوتے ہیں خدا نہ کرے کہ آجکل کے ہمارے قائدین بھی اسی طرح کے ہوں ۔ کیا سقراط سے بڑھ کر حکماء یونان میں کوئی ہوا ہے اور یہ وہی ہے جو بازاری عورتوں کا عاشق و مداح رہا ، اور بعض تو ان فلاسفہ میں سے اپنی لڑکیوں سے زنا کرتے رہے ۔

اور نبی کے تقدس و ورع کے کیا کہنے کہ جن کے کروڑویں حصہ کو بھی یہ لوگ نہیں پا سکتے ۔ نبی اور غیر نبی میں ایک یہ بھی نمایاں فرق ہوتا ہے کہ نبی جو کچھ کرتا ہے ۔ اللہ اور فقط اللہ کے لیے کرتا ہے اسکا مقصود خالق کی رضا جوئی مخلوقات سے احسان اور اللہ کے حکموں کا اعلان ہوتا ہے لیکن حکیم کی تمام جدوجہد علم کا اظہار شہرت طلبی یا قوم کی خاطر اسکی اصلاح ہوتی ہے ۔

یہاں یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرے اس بیان سے جو کہ نبی اور معاند نبی کے امتیاز میں کہہ رہا ہوں کوئی مقابلہ یا موازنہ کا شبہ نہ کرے کیونکہ بندہ تو نبی کے ساتھ کسی اور شخص کے مقابلہ و موازنہ بلکہ مماثلت و تمثیل سے بھی ڈرتا ہے ۔

بندہ صرف نبی کی شان ممتاز کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تاکہ جو اشتباہ شیطانوں کی طرف سے پیدا کیا جاتا ہے ، رفع ہو جائے پہلے قدم پر تو شیطان یوں گمراہ کرتا ہے کہ نبی کے کارناموں کو فلاسفہ دکھا ۔ ریفارمرز ، مصلحین اور مفکرین کے کارناموں جیسا ظاہر کرکے ان کے موازنہ و مقابلہ کا فکر دلاتا ہے

پھر جزئی اختلاف اور مادی چمک دمک اور خصوصًا نفسانی ہوا و ہوس کی تکمیل کے ساز و سامان میں کھو کر اہل ہوا کی طرف میلان کرتا ہے اور آخر میں نبی کے کارناموں کی عظمت کو پہچاننے سے محرومی کی وجہ سے اندھا ہو کر تعلیمات نبوی کی سبکی کرنے اور ٹھٹھا کرنے پر اتر آتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِھِمْ۔ انبیاء جن کو اللہ کیطرف سے ہدایت دی جاتی ہے اور نفس و شیطان کے فریبوں سے عصمت کی ضمانت لے کر آتے ہیں وہ دنیا میں کام کی بنیاد قلب و روح کی اصلاح پر رکھتے اور پھر معاشی و تمدن علوم و فنون سیاست و حکومت کو اسی ایک اصل سے وابستہ کرتے ہیں اور یہ سب چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا اوّل سے آخر تک سب کام اسی ایک نورانی اصل سے منور ہو جاتا ہے۔ اور ہر منزل منزلِ مقصود ہو جاتی ہے۔ اور فلاح دارین کا پیش خیمہ۔ کیونکہ نفس و شیطان کی ظلمتوں اور کدورتوں سے پاک ہوتی ہے۔ ان کے طریق کے برخلاف اور لوگوں کا یہ حال ہے۔ کہ کوئی تو یہ کہتا ہے۔ کہ قوم کی مالی حالت درست ہو جائے گی تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ کوئی رسم و رواج اور معاشرت کی اصلاح پر زور دیتا ہے۔ کوئی تعلیم کے فروغ کو اصلاح کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ کوئی تمدن ظاہری کو قوم کی ترقی کا مدار کہتا ہے۔ کوئی جسمانی قوت کو قابلِ بھروسہ جانتا ہے اور کوئی فقط سیاسی برتری کو مقصودِ انسانیت بیان کرتا ہے۔ کسی کا فکر یہ کہتا ہے۔ کہ جتنی زیادہ نفس کی خواہشات کی تکمیل کے اسباب ہوں کامیاب سمجھے جائیں گے۔ تو یہیں اسی کے پیچھے لگ کر اس سے اپنے تمدن و ثقافت اور نظریات کو بدل لیتی ہے۔ لیکن کیا کہا جائے۔ ہر سال ان کے نظریات اور تصویریاں بدلتی رہتی ہیں اور پھر جب بنیادی طور پر خود غرضی اور ہوائے نفس ساتھ ساتھ چلتی ہے تو ہر کام کو تاریک سیاہ کر دیتی ہے کیونکہ نفس و شیطان سے محفوظ ہونے کی کوئی ضمانت نہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ نفس و شیطان ان کو اپنے کام کے لئے خوب تھپکا لیتے ہیں اور جب ان بیچاروں کو نفس و شیطان کی حقیقت پر ہی اطلاع نہیں دی گئی۔ تو عصمت کہاں سے آئے۔ نہ خالق کی ہستی کا اقرار۔ نہ رسولوں کی تعلیمات کی تسلیم۔ نہ آخرت کا خوف۔ نہ حلال و حرام کی تمیز۔ یہی وجہ ہے۔

کہ سب کچھ ہونے کے باوجود خالق سے دور اس کی معرفت سے بے خبر، آخرت کے اسرار سے محروم اطمینان قلبی اور سکون روحی سے بے نصیب آج پورے یورپ کی تہذیب وتمدن جس نے فکرِ فلسفہ کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اسی محرومی کی بولتی ہوئی تصویر ہے۔ آئیے اب انبیاء علیہم السلام کے طریق عمل کو دیکھئے جو قلب کے تعلق باللہ کی درستگی سے کام شروع کرتے ہیں۔ اس کی تابعداری میں دولت بھی ہاتھ لگتی ہے۔ قوموں کو سلطنتیں بھی ملتی ہیں۔ علم و قوت بھی حاصل ہوتی ہے۔ دنیاوی عظمت وجلال بھی خادمانہ حیثیت سے استقبال کے لیے آتے ہیں۔ لیکن یہ ان کا مطمح نظر اور مقصود بالذات نہیں ہوتا۔ ان کا اصلی اور بنیادی مقصد خدا کی خوشنودی اس کی معرفت اور تعلق باللہ کی درستگی سے اخروی زندگی میں فوز وفلاح ہوتی ہے۔ نبی کے فکر اور مادہ پرست کے فکر میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے۔ کہ نبی تعلق باللہ کی نادرستگی کی حالت میں تمام مادی ترقیوں اور کامیابیوں کو بیکار محض اور فتنہ اور استدراج جانتا ہے۔ لیکن آخرت پر ایمان سے محروم فکر میں کامیابی اور کامرانی کا معیار مادیت کا حصول اور نفس کی خواہشات کی تکمیل کے سازوسامان ہیں۔ قرآن مجید نے اس ذہنیت کو کئی مختلف طریقوں سے ظاہر کیا ہے۔ کہیں ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الذین امنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ اور جس نے ایسا کیا تو بھی وہ لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کسی جگہ ارشاد فرمایا۔

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا

فرما دیجئے کیا ہم تمہیں بتادیں کہ اپنے عملوں میں کن لوگوں نے زیادہ نقصان اٹھایا۔ وہ لوگ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں کھو گئی۔ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔

یہاں عملوں میں نقصان اٹھانے والوں کی بابت [illegible] ان لوگوں کا حال ہے جو عمل کرتے ہیں

لیکن عمل کے بعد کچھ ہاتھ نہ لگا۔ کس بلاغت سے ان کے موقف کی پہچان کرا دی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی و کوشش اور محنت و جد و جہد دنیا کی چند روزہ زندگی کے لیے ہی وقف رہی اور وہ یہی گمان کرتے رہے کہ وہ بڑا اچھا بنا رہے ہیں اور شاید لفظ صنعًا میں دنیا کی صنعتیں ہوں اور یکسوئی کے ساتھ ملا کر سمجھنے سے اور واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اسی زعم میں رہے۔ کہ وہ بڑی بڑی حسین ایجادات کر رہے ہیں۔ آج کے مادہ پرست موجدوں کی طرف کس خوبصورتی سے اشارہ کر دیا اور ان کو اور ان کے شیدائیوں کو یہی تو زعم ہے اور بلکہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو بڑے کامیاب ترقی یافتہ لوگ ہیں۔ کہ ہم نے ہوائی جہاز بنایا۔ ایٹم بم بنایا۔ ریڈیو بنایا۔ ٹیلی ویژن بنایا۔

لیکن ہائے افسوس یہ نہ جانا کہ یہ سب کچھ دنیا اور فقط دنیا کی زندگانی کا سامان ہے۔ اور اسی بات کو قرآن مجید ان لفظوں میں فرماتا ہے

وان کل لما متاع الحیوۃ الدنیا

مجھے ان کافروں کا تو ذکر نہیں کرنا۔ مجھے تو ان کلمہ گو بھائیوں کی اس گمراہی کا علاج قرآن سے بتانا ہے جو ان کی مادی چمک دمک میں ایسے کھو گئے کہ اپنے نبی کریم (روف الرحیم) رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو پس پشت ڈال دیا۔ نبذوہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون نبی کو تو ارشاد ہوتا ہے فلا تعجبك اموالھم ولا اولادھم پس آپ کو کافروں کے مال اور اولاد تعجب میں نہ ڈال دیں۔ انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون۔ اللہ ان کو ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے اور تاکہ ان کی جانیں اسی کفر پر نکل جائیں۔ کتنا واضح ہے کہ ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ کریں۔ یہ ان کو خوشنودی سے نہیں دیا بلکہ یہ بھی عذاب ہے۔

من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون اولئك الذین لیس لھم فی الاخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وبطل ما کانوا یعملون جو کوئی دنیا کی زندگانی اور اس

کی زینت ہی کا طالب ہو تو ہم ان کے اعمال کو اسی دنیا میں پورا لوٹا دیتے ہیں اور وہ کمی نہیں کئے جاتے یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہ ہوگا۔ اور ضائع ہو گئے جو وہ بناتے تھے اس دنیا میں اور باطل ہوا جو وہ عمل کرتے تھے۔ یہاں بھی صنعوا کا لفظ وہی ہے جس کا مادہ صنع ہے یعنی صنعتیں۔ ظلم تو یہ کہ اسی سائنسی ترقی نے ایسا مسحور کیا کہ ان کو یہ گمان ہونے لگے کہ چونکہ ان لوگوں کے پاس دنیا کا عیش و عشرت بہت ہے اس لیے انہیں کی تہذیب و تمدن انہیں کی وضع قطع پیہ مر مٹو۔ یہی ترقی کی راہ ہے۔ بلکہ بعض منچلے تو نبوی علوم پر دبے دبے لفظوں میں طعن بھی کرنے لگ گئے ہیں۔ خدا ان کو سیدھی راہ کی ہدایت دے جو فکر نبوی کے ساتھ مختص ہے۔ یہاں یہ ضرور ذہن نشین کر لیں کہ یہاں اس دنیا وی ساز و سامان کا ذکر ہے۔ جس کے ساتھ ایمان و ذکر اللہ جمع نہ ہو۔ اس مال و دولت کا ذکر نہیں جس کے ساتھ ایمان و ذکر اللہ شامل ہو

چیست دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن !

جب دنیا کی مذمت کی جاتی ہے تو دنیا کے پجاری بڑے سیخ پا ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اس سے محبت ہوتی ہے۔ اور اسی سے وہ پہچانے بھی جاتے ہیں کہ یہی ہیں وہ استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ خوب سمجھ لیں کہ چونکہ اصنام پرستی کمالِ جہالت کا اثر تھا۔ اس لیے آج کل کے روشن دماغی کے زمانہ میں ان کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ اس لیے شیطان نے آجکل ایسے تازے بت گھڑے ہیں جن کو بڑے بڑے سمجھدار علم والے بھی پوجنے لگے۔ اضلہ اللہ علی علم کی بولتی تصویریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ زخرف میں مسلمانوں کو کمال شفقت سے تسلی دلائی ہے ارشاد فرمایا

وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۙ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۙ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

الحیٰوۃ الدنیا و الاخرۃ عند ربک للمتقین ۰[۳۵] اگر یہ نہ لحاظ ہوتا کہ کافر کو فراخی عیش میں دیکھ کر سب کافر ہو جائیں گے تو ہم ضرور رحمٰن کے منکروں کے لیے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے ۔جن پر چڑھتے اور ان کے گھروں کے لیے چاندی کے دروازے اور چاندی سونے تخت ہوتے جن پر تکیہ لگاتے اور طرح طرح کی آرائش اور یہ سب کچھ دنیا کی زندگانی کا ہی تو برتنا ہے ۔اور آخرت تمہارے رب کے پاس پرہیزگاروں کے لیے ہے[۱۷]۔ معلوم یہ ہوا کہ کمزور ایمان والوں نے کافروں کے پاس دنیا کا مال دیکھ کر کافر ہونا تھا ۔اسی لیے تو ان کو ابھی اندازے سے ہی تھوڑا دیا ہے ۔لیکن یہ نادان ان کی تھوڑی پونچی پر ہی دین گنوا بیٹھے تو اگر ایسا ہوتا جیسا قرآن نے فرمایا تو پھر کیا ہوتا ۔ اللہ محفوظ رکھے ۔آمین

میں دیکھ رہا ہوں کہ دن بدن حب دنیا و دولت پرستی اور مادیت کا فتنہ زور پکڑتا جا رہا ہے ۔اور شاید اسی کے انتہائی نقطہ کا ظہور دجال کی صورت میں ظاہر ہونا ہو گا ۔جو لوگوں کو دنیا کی مال و دولت دکھا کر اپنی خدائی منوائے گا ۔اور سونے و چاندی کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے ۔ جہاں دفینہ ہو گا خود بولے گا اور اس پر ظاہر ہو جائے گا ۔فتنۂ دجال کے متعلق بیشمار احادیث ہیں اور خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنۂ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے ۔حدیث شریف میں ہے کہ جو سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کرے گا اور پڑھتا رہے گا ۔فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا ۔نیز یہ بھی ہے کہ جو کوئی سورۃ کہف پڑھے گا ۔ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا ۔چنانچہ بندہ نے پچھلے دنوں اسی حدیث کے مطابق اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا ۔تو معلوم ہوا ۔کہ فتنہ دجال سے بچنے کے لیے جتنی چیزوں کی ضرورت تھی ۔اس کو اس سورۃ میں بیان کر دیا گیا ہے اور ان سب ہدایات کا خلاصہ پہلی دس آیات میں موجود ہے ۔چنانچہ ارشاد فرمایا ۔ انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا ۔ہم نے جو کچھ زمین پر ہے ۔اس کے لئے زینت بنایا ہے ۔تاکہ ہم آزمائیں ۔کہ تم میں بھلے عمل کون کرتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا ۔کہ ما علی الارض آزمائش ہے ۔تو کون بے وقوف اس کی گرفتاری

کو پسند کرے گا۔ بلکہ اس سے بڑی بیداری سے معاملہ کرے گا۔ آگے ان جوانوں کا ذکر ہے جنہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے دنیا کی تمام چیزوں کو خیر باد کہکر اپنے آپ کو غار میں پہنچایا۔ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر رحمت طلب کی اور اس عظیم الشان امتحان میں آسانی اور بھلائی طلب کی۔

انهم فتية امنوا بربهم وزدناهم هدى

"بے شک وہ چند جوانمرد تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو زیادہ دی ہدایت یہ ہے ہدایت کہ اس پر ڈٹ جائے پھر ان کے تین سو نو سال سونے کے بعد اٹھنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ پاکیزہ طعام لانے کی تاکید کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو بچانے کی فکر کرتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ پاکیزہ روزی کھانا ایمان کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اور یہی چیز فتنۂ دجال سے بچنے کا ذریعہ ہے کیونکہ لوگ اکثر چرب لقمہ کے لیے ہی دجالی فتنہ کا شکار ہوتے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغدوة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوة الدنيا ج ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا ه

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کو معیت میں روکے رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح شام پکارتے اسی کی خوشنودی کے طالب رہتے ہیں۔ ان سے اپنی آنکھوں کو نہ ہٹایئے کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے اور اس شخص کا کہا نہ مان جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے چلا ہوا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

کتنی واضح بات ہے کہ ان لوگوں سے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں اور ہر حال میں اسی کی خوشنودی کے طالب رہتے ہیں مانوس رہو اہلِ اللہ ذکر کرنے والوں کی صحبت فتنہ مادیت و فتنۂ دجال سے بچنے کا ذریعہ ہے حدیث میں ہے هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقَىٰ جَلِيسُهُمْ

یہ اللہ اللہ کرنے والے ایسے لوگ ہیں جنکا ہمنشین بد بخت نہیں ہوتا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں سے طبیعت مانوس نہ ہونے کی وجہ یہی دنیا پرستی ہے چنانچہ اسی لیے تو فرمایا تـریـد زینة الحیوۃ الـدنیا۔ کیا دنیا کی زندگانی کی زینت چاہے گا۔ جو انجام کار فتنہ دجال کا شکار کرا دیتی ہے۔ پھر فرمایا ان سے اپنی توجہ نہ ہٹایئے معلوم ہوا یہی اللہ اللہ کرنے والا خوشنودیٔ مولا کا متلاشی گروہ ہی وہ گروہ ہے جس پر نبوت کی حیات بخش توجہ دائمی مرکوز رہتی ہے۔

پھر صاف کہدیا کہ ایسے شخص کا کہا نہ مانو جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے۔ کیونکہ غافل دل والے کے اندر فکر نبوی سمو ہی نہیں سکتا۔

فقیر سے ایک دفعہ ایک عزیز نے ایک بہت بڑے مفکر کا ذکر کیا جس کو حکومت میں بہت بہت بڑا مقام و اعزاز حاصل ہے جب وہ اس کی تعریفیں کر چکے تو بندہ نے صرف یہی پوچھا۔ کہ فرمائیے کیا وہ نماز کے پابند ہیں۔ تو کہنے لگے کہ صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔ تو میں نے کہا قرآن نے ہدایت یافتہ متقین کی جو پہلی نشانی بیان فرمائی وہ ہی نہیں تو ہدایت کہاں سے آگئی۔

اور یہ اعجاز قرآنی ہے کہ جو نشانیاں ہدایت یافتہ متقین کی قرآن نے بیان فرمائی ہیں وہ مادہ پرستوں میں جمع ہی نہیں ہوتیں۔

یہاں جو ذکر قلبی کا ذکر آیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک ذکر لسان سے گزر کر قلب پر اثر انداز نہ ہو قلب کا وجدان صحیح نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے جیسے آئینہ پر اگر گرد پڑی ہو تو اس میں کسی چیز کے منعکس ہونے کی صلاحیت نہیں رہتی اسی طرح جس دل میں ہوا و ہوس کی گرد پڑتی رہتی ہو اس میں نور ہدایت کیسے چمک سکتا ہے؟

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔

"تحقیق فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کو پاکیزہ کر لیا۔ اور ہلاک ہوا جس نے اس کو ہوائے نفسانی کی ظلمتوں میں دبا دیا"۔

نبی باوجود عصمت کے ہر وقت ذکر الٰہی عبادت و تلاوت اور اللہ اکبر دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہے تاکہ اخذ ہدایت کے لئے دل مستعد رہے اور آجکل کے متفکرین شرابیں بھی پیئیں، دنیا کی ہوس میں چور، نہ نماز، نہ آخرت کی فکر اور جب مسند پہ آئیں تو تمام اُمّت سے دم اُوپر ماریں۔ خدا ان کو انصاف دے۔

سورۂ کہف کے مضامین کا ذکر ہو رہا تھا۔ چنانچہ آگے اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے لئے آگ اور کھولتے ہوئے پانی کے عذاب کا ذکر فرمایا۔ اور ایمان و عمل صالح والوں کے لئے باغات اور بہتی ہوئی نہریں اور سونے کے زیورات اور ریشمی کپڑوں کے پہنائے جانے اور تختوں پر بٹھائے جانے کا ذکر فرمایا۔ مادی عقل والے پہلے تو ان چیزوں کا انکار ہی کیا کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کی عقل نبیوں کی تعلیمات سے کُلّی طور پر منوّر نہیں ہوتی وہ اس میں بھی مادیت کا رنگ قائم رکھنے کے لئے عذاب و ثواب آخرت کو عقلی کہتے ہیں۔ اور یہی حکماء کا قول ہے لیکن تمام انبیاءؑ اس کے حقیقی ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ بعض اور کچھ نہیں تو عذاب کے دائمی ہونے کا ہی انکار کر دیتے اور اس کی وجہ قرآن مجید نے سورۂ ابراہیم میں اس طرح بیان فرمائی

وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۔

"اور ہلاکت ہے کافروں کے لئے عذاب شدید سے وہ جو آخرت سے زیادہ دنیا کی زندگانی سے محبّت رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ یہی دُور کی گمراہی میں ہیں"۔

یہاں اس کی وجہ آخرت کی نسبت دُنیا سے زیادہ محبّت ہونا بیان کیا گیا ہے کہ وہ سب کچھ دنیا ہی کو جانتے ہیں۔ یا دنیا کی محبّت میں ایسے کھو گئے ہیں کہ

وہ یگمان کرتے ہیں کہ اس دنیا سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کچھ چیز بھی نہیں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں یہ ہے کہ آخرت کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ تو جب موجدین نے گیس اور بجلی کی آگ کو تحقیق کر لیا جو عام آگ سے کئی سو گنا زیادہ ہے تو وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کے مطابق کہنے لگے یہ لو ہم نے تو کئی ستر گنا آگ بھی دریافت کر لی اور یوں تعلیمات نبوی کا تمسخر اڑایا حالانکہ ان بدبختوں نے یہ نہ سمجھا کہ یہ جو کچھ بھی تم نے دریافت کیا ہے اور دریافت کرو گے سب کچھ دنیا ہی کی آگ ہے اور جو سب سے شدید ہے اس کا حساب لگاؤ کہ آخرت میں ستر گنا زیادہ تیز ہوگی۔

وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کی بیماری تو آج ان نام نہاد مسلمانوں میں بھی عام ہو گئی ہے تو اللہ کے حکموں میں کجی ڈھونڈنے اور باتیں بنانے کو بڑے فخر کی بات اور اپنی شانِ مفکری سمجھتے ہیں جیسے کہ عام سننے میں آتا ہے نقلِ کفر کفر نہ باشد کہ آج کل اس مشغولیت کے دور میں نماز کی فرصت کہاں : ؎

جنسی آزادی کے بغیر زندگی کا لطف کہاں
شراب کے بغیر عیشِ دنیا بے مزہ !

جوا، سود، رشوت کے بغیر کیسے گزارہ ہو سکتا ہے بلکہ بڑی بڑی دماغ سوزی سے ایسی ایسی کج بحثیاں کرتے ہیں کہیں کوئی شراب اور جوئے اور سود کی افادیت کا لیکچر دے رہا ہے۔ ویبغونها عوجًا اولٰئک فی ضلٰل بعید اور قرآن کی حکمت کے قربان جائیے اس نے اسی لیے یہ فرمایا تھا۔

قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

فرما دیجیے اس میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی لیکن ان کا گناہ یعنی نقصان فائدے سے بڑا ہے یعنی یہ تو مانا کہ اس میں فائدے ہیں لیکن خالق نے اس کے گناہ کو زیادہ فرما کر

عقلِ سلیم کو یہ چیلنج کر دیا کہ بتاؤ تھوڑے سے فائدے کے لیے زیادہ نقصان چاہو گے؟

اور پھر سیدھی سی بات ہے اگر شیطان برائیوں کو خوبصورت اور شیریں ملمع نہ کرے

تو کون بیوقوف ان برائیوں کو اپناتا یہی تو عقل کا امتحان ہے کہ وہ اس چیز کی ظاہری شیرینی پر

نظر کرتا ہے یا اس کی حقیقت پر۔ بَلْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ سُوْٓءَ اَعْمَالِهِمْ

بلکہ شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو ان کی نگاہ میں مزین کر دیا ہے۔ کیا آج جہان بھر کی بے حیائیوں

اور بدکاریوں کو ملمع نہیں کیا۔ اور شیطانی فکر والوں کی ساری کاوشیں اسی پر صرف نہیں ہو رہیں کہ شراب

زناء، حرام خوری، نفس کی آزادی کو عین آرٹ اور ترقی ظاہر کر رہے ہیں اور اس مسئلہ پر اس لئے زور

دے رہا ہوں کہ عام لوگ اسی فتنہ میں ایمان کھو رہے ہیں اگر ایک آدمی ساری عمر شراب پیئے

گو یا یہ بھی بُری بات ہے لیکن اگر کوئی شراب پینے کو معمولی بات سمجھے اور اس کو حرام جاننے کی بجائے

اس کی احادیث کا ذکر کرے تو وہ بالکل کافر ہو جاتا ہے کیونکہ کفر معصیت سے بہت بڑا ہے اسی

پر دوسرے حرام کاموں کو قیاس کر لیں۔

سورہ کہف میں اس کے آگے اللہ تعالےٰ نے دو آدمیوں کا ذکر فرمایا کہ ایک کے پاس

دنیا کے باغات اور پھل تھے اور دوسرے کے پاس مال نہ تھا تو وہ باغات والا اس کو کہنے لگا

کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اس مسلمان نے اسے یہ نصیحت کی دیکھ اس خالق کی طرف

نظر کر جس نے تجھ کو مٹی اور نطفہ سے پیدا کیا یہ سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے اور اس سے ڈر

یہ تھا ایمانی فکر۔ چنانچہ جب وہ باغ دوسرے روز جل کر خاکستر ہو گیا تو ہاتھ ملنے لگا

اسی میں وہی مادہ پرستوں کی ذہنیت کو بیان کیا گیا ہے کہ مادی دولت معیارِ عزت جانتے

ہیں اور یہی دنیا سے پیار کی علامت ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کوئی یہ نہ

سمجھے کہ آخر پھر انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعدار بھی تو دنیاوی مال و اسباب سے متمتع

ہوتے ہیں پھر کیا فرق ہے۔

خوب سمجھ لو اللہ نے یہ سب کچھ اپنے بندوں کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور سب جہان کو

بادشاہ بھی ہو جانا کوئی گناہ نہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمانؑ اور حضرت ذوالقرنین کو ساری دنیا پر حکومت بخشی آج بھی ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ سائنس اور علوم جدیدہ کو خوب پڑھو ہوائی جہاز بناؤ اور جو جہان کی حلال نعمتیں ہیں کھاؤ قیمتی سے قیمتی کپڑے پہنو کروڑوں کے محلات میں رہو۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ خالق کو نہ بھولو اور اس کے نبیوں کی ہدایت میں خواہش نفس سے کجی نہ ڈھونڈو اور اس کے شکر گزار بندے بن کر رہو۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ

اللہ تعالےٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ۔

اس کی علامت اللہ نے یہ بیان فرمائی۔ کہ جو میرے حکموں کے مطابق دنیا کو لینے والے ہیں۔ وہ اس فانی دنیا کو معیارِ عزت و آبرو نہیں بناتے۔ اسی سے اپنوں اور غیروں میں فرق ہو جاتا ہے بعض لوگ ایسے موقع پر علمائے کرام کو طعن کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم کو ترقی نہیں کرنے دیتے۔ حالانکہ یہ ان کی کج بحثی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے سائنس فلسفہ انجینئرنگ تاریخ جغرافیہ علوم و فنون جدید سب کچھ پڑھے اور ہم کہتے ہیں۔ پڑھو اور خوب پڑھو۔ لیکن کم بختو! یہ تو بتاؤ۔ کہ ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ وہ کیا تم پڑھ لیتے ہو۔ جس سے تم اپنے پیدا کرنے والے اور ہدایت لے کر آنے والے کے دشمن ہو جاتے ہو۔ اس سے ہم خبردار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اسلام کے دشمن تمہیں ایک حرف نہ بتائیں گے۔ جب تک کہ تم کو صراطِ مستقیم سے ہٹا نہ لیں گے۔ تم ہمیں اس شیطانی تہذیب کی ظاہری شیرینی اور چمک دمک کا حوالہ دیتے ہو اور ہم تمہیں اس کے اندر کے زہر کی خبر دیتے ہیں۔ کہ تم اس ملمع کی ہوئی زہر کے کی خبر دیتے ہیں کہ تم اس ملمع کی ہوئی زہر کے کھانے سے عنقریب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور تم ہو کہ نبیوں کی تعلیمات پر لات مار کر دنیا کی چندروزہ لذتوں پر فریفتہ ہوئے جا رہے ہو۔ یہ عنقریب پول کھلنے والا ہے۔ اور تم جان لو گے اور کہو گے۔

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا۔ اور رسولوں نے سچ فرمایا تھا۔
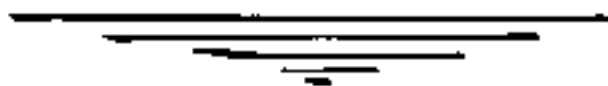
واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۝

# خطبہ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۶ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

✱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ؕ

اور میں نے جن و انسان کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اب غور یہ کرنا ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے اگر تو عبادت صرف نماز روزہ اور ذکر و اذکار کا نام ہے جیسا کہ عوام کا خیال ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ آیت ناقابل عمل ہے کیونکہ اگر انسان صرف نماز روزہ ہی میں لگا رہے تو یہ دنیا کے تمام کام کاج کس طرح چلیں جن کے بغیر حیات انسانی کا بقا متصور نہیں بلکہ انسان کا وجود میں آنا بھی ممکن نہیں۔ یہ زراعت و تجارت صنعت و حرفت، تمدن و سیاست کا کام کیسے چلے گا اور یہ مدنی الطبع انسان آخر ہر وقت نماز بھی نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عبادت کا مفہوم کچھ ایسا وسیع و ہمہ گیر ہے جو انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہے۔ اسی ہمہ گیری کی وجہ سے انسانی زندگی کا ہر فعل عبادت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور وہ مفہوم یہ ہے کہ عبد جو کچھ بھی کرے وہ معبود کے لیے اور

معبود کے حکم کے مطابق کرے وہ عبادت ہی عبادت ہے۔ اس طرح جب اس کی ساری زندگی عبادت ہو گئی تو اس نے مقصد تخلیق کو پورا کر لیا۔

"نماز" کے متعلق تو فقیر اکثر کہا کرتا ہے کہ نماز بھی اگرچہ ایک عبادت ہے۔ لیکن نماز ہی عبادت نہیں۔ یہ تو اقرار بندگی ہے۔ بندگی کا تو مسجد کے باہر ظہور ہوگا۔ جب تولنے کیلئے ترازو اٹھایا اگر معبود کے حکم کے مطابق تولا تو عابد، ورنہ باغی، گواہی دینے کا وقت آیا تو اگر معبود کے حکم کے مطابق گواہی دی تو عابد، ورنہ غافل، لین دین کا وقت آیا تو دیانت و راستبازی سے کام لیا تو بندہ ہے ورنہ نافرمان۔ اگرچہ ہزار رکعات نفل پڑھ کر مسجد سے نکلا ہو، تو گو اس نے ایک قسم کی بندگی تو کی لیکن بندہ نہ بنا، اگر بندہ ہوتا تو ہر حال مالک کے حکم میں بند رہتا۔ نماز کو ہی لے لیجئے کہ جو بہترین عبادت ہے اگر اس میں بھی نفس کی آزادی کو معبود کے حکم پر قربان نہ کیا جائے تو یہ بھی عبادت نہیں کہہ سکتے۔ یعنی اگر کوئی قیام سے پہلے رکوع، رکوع سے پہلے سجدہ کرے اور فاتحہ کی جگہ تشہد اور تشہد کی جگہ قرآن پڑھے تو اس کی نماز ہرگز نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر ادائے ارکان میں بھی آزادیِ نفس اور تساہل سے کام لے تو بھی نماز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ

"جو شخص رکوع میں اپنی پیٹھ کو سیدھا نہیں رکھتا۔ اللہ اس کی نماز کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھتا"۔

ثابت یہ ہوا کہ عبادت کی حقیقت اپنے ارادہ و اختیار کو اللہ کے حکم کے تابع کر لینا ہے اگر نماز جیسی عبادت میں یہ حقیقتِ عبادت مفقود ہو تو وہ نماز نہیں رہتی تو کسی اور کام کی وہاں کیا حقیقت ہوگی۔ اور اگر اللہ کے فضل سے یہ حقیقت نیند جیسی غفلت میں جمع ہو جائے تو وہ بھی عبادت ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

نَوْمُ الْعَالِمِ خَيْرٌ مِّنْ عِبَادَةِ الْجَاهِلِ۔

عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کس وقت

سونے ، کس طرح سونے ، کس لیے سونے میں خوش ہے۔ اور اسی طرح سوتا ہے تو وہ اس عابد سے بہتر ہے جو نہیں جانتا کہ عبادت کس وقت ، کس طرح ، اور کس لیے کی جاتی ہے۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ عبادت کی رُوح اپنی آزادیٔ نفس کو اللہ کے حکم کے تابع کر دینا ہے تو یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ جس کام میں جتنی خواہش نفس کم اور اللہ کے حکم کی گرفتاری زیادہ ہوتی جائے گی اتنی ہی اس کام کی عظمت اور قدر و منزلت اللہ کی بارگاہ میں بڑھتی جائے گی۔ جیسے منفرد کی نماز سے باجماعت نماز کا افضل ہونا۔ چونکہ منفرد کی نماز میں ایک قسم کی آزادی باقی ہوتی ہے جو باجماعت نماز میں امام کی اقتداء کی وجہ سے مسلوب ہو جاتی ہے اس لیے اس نماز کا درجہ اللہ کے ہاں بلند ہو جاتا ہے۔ اسی اصول پر دوسرے امور کو قیاس کر لیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کو اللہ کی عبادت کی ہی دعوت دی۔ اگر عبادت صرف رکوع و سجود کا نام ہوتا تو یہ کوئی اتنا مشکل کام نہ تھا جس کے لیے قومیں انبیاء علیہم السلام کے انکار ہی نہیں بلکہ عداوت پر اتر آئیں۔ بات یہ ہے کہ وہ یہ خوب سمجھتے تھے کہ اللہ کی عبادت سے مراد کلیتہً ”نفس کی آزادی کو ختم کر کے اللہ کی حکومت کو نافذ کر دینا ہے جس میں ان کی ہوائے نفس کا کوئی حصہ نہیں اور یہ کام ان کے لیے بڑا مشکل تھا اور پھر انبیاء علیہم السلام کے ہاں اس بات کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی کہ قوم سے کوئی ایسی مصالحت کر لیتے کہ قوم نماز تو اللہ کی ہی پڑھتی اور باقی تمام زندگی اپنی ہوائے نفس اور آزادیٔ طبع اور طاغوتی طاقتوں کی مرضی کے مطابق ہی بسر کئے جاتی۔ مگر افسوس! کہ ہمارے زمانے میں دین صرف چند مناسک میں حصر کر دیا گیا ہے اور اس کو ایک نجی چیز بنا دیا گیا ہے کہ عبادت تو گھروں اور مسجدوں میں ہو اور باقی تمام کام جیسے جی چاہے کریں۔ یا جن میں دنیاوی منفعت نظر آئے وہی کر لیں۔ اسلام کے ساتھ سب سے بڑی دشمنی یہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید نے شاید اسی گمراہی کو حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعہ میں بیان فرمایا کہ آپ

کر قوم نے کہا۔

فَالُوْا يَا شُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ہود)

قوم نے کہا اے شعیب! کیا تیری نمازیں یہی کہتی ہیں کہ جن کو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے ان کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں جو چاہیں نہ کریں۔

یعنی مال کے معاملہ میں وہ کسی حکم بالا کا جواز بھی تصوّر نہ کرتے آج بھی یہی گمراہی عام ہے کہ نمازیں پڑھ پڑھ کر محراب پڑ جاتے ہیں لیکن روزی کے معاملہ میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں کرتے۔

"اسلام" ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے جو عبد کو سراپا عبادت ہی عبادت بنا دینا چاہتا ہے۔ اس کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، نکاح و طلاق، معاشں و سیاست، تہذیب و تمدّن، معاملات و اخلاق ہر چیز عبادت ہے۔ کیونکہ یہاں فلسفہ عبادت یہ ہے کہ جو کام معبود کے لیے اور معبود کی مرضی کے مطابق ہے وہ عبادت ہے۔ خواہ اسے دنیا کتنی ہی عام نظر سے دیکھے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو مجموعی طور پر دیکھیں تو وہاں تین لفظ مشترک طور پہ استعمال کئے گئے ہیں۔ (اُعْبُدُوا اللّٰہَ یا لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ) (وَاتَّقُوا اللّٰہَ) (وَ اَطِیْعُوْنِ)۔ (اللہ کی ہی عبادت کرو) (اللہ سے ڈرتے رہو) یا (پرہیزگاری کرتے رہو) اور (میری اطاعت کرو)

تینوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور ایک ہی حقیقت ہے کہ اپنی مرضی چھوڑ دو اور اللہ کی مرضی کو اپنا لو۔ جس کا میں اعلان کر رہا ہوں۔ عبادت، تقویٰ اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ کا مضمون ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ کہ تو پرہیزگار ہو لوگوں سے بڑا عابد ہو جائے گا۔

ایک دوسری حدیث قدسی میں ہے۔

عَبْدِيْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَيْكَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَيْتُكَ تَكُنْ اَوْرَعَ النَّاسِ۔

اے میرے بندے جو میں نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کرتا رہ تو لوگوں سے بڑا عابد ہو جائے گا اور رک جا اس چیز سے جس سے میں نے تجھے روکا ہے تو لوگوں سے بڑا پرہیزگار ہو جائے گا۔ اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت قرآن نے ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے۔

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (حشر)

یعنی جو رسول ﷺ دیں لے لو اور جس سے روکیں۔ رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو یعنی تقویٰ رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ چنانچہ تحویلِ قبلہ پر کفار کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد باری ہوا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ (بقرہ)

کہ ہم نے بیت المقدس کو چند دن کیلئے) قبلہ اس لئے بنایا تھا تاکہ یہ جان لیں کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کون کرتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی شرائع نفسِ انسانی کے تزکیہ واصلاح کے لئے آتی ہیں۔ نفس جب اپنے گرد و پیش اپنے مجازی ارادہ واختیار کو متصرف دیکھتا ہے تو اس کے اندر حاکمیت کا زعم پیدا

ہوجاتا ہے اور چند چیزوں پر خود کو حاوی دیکھ کر کلیت کا فیصلہ کر دیتا ہے ۔ جیسے ڈرائیور جب موٹر کو اپنے اشاروں پر چلتے دیکھتا ہے تو اسے زعم ہو جاتا ہے ۔ کہ شاید ساری دنیا کا نظام ہی ابتداء سے ہی ہاتھوں میں آگیا ہے ۔ حالانکہ قدرت انسان کو زندگی میں بارہا اس کے عجز و نقص کا احساس کرواتی رہتی ہے اور پھر جب انبیاء علیہم السلام دلائل قطعیہ اور براہین عینیہ یعنی معجزات سے اللہ عزوجل کے قادرِ مطلق اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا اعلان کرتے ہیں تو یہ کھسیانہ ہو کر اپنی اس شکست کو چھپانے کے لیے خدا ہی کی دی ہوئی استعدادوں یعنی عقل و دانش اور ادراک کو بروئے کار لانے لگتا ہے ۔ اور چاہتا ہے کہ کسی طرح کوئی ایسی مصالحت ہو جائے کہ میری بھی خدائی قائم رہے اور خدا کی خدائی بھی ۔ اسی چیز کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (یونس)

اور جب ہماری روشن آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہماری ملاقات کا یقین نہیں کہتے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسی کو بدل دے ۔ فرما دیجیے مجھے اختیار نہیں ہے کہ اس کو بدل دوں اپنی طرف سے ، میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی کی گئی میں تو ڈرتا ہوں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں بہت بڑے دن کے عذاب سے ۔

اس آیت میں لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فرما کر پتہ دیا کہ ان کے نفوس کو ہماری ملاقات کی امید ہی نہیں اور قرآن جو کہ اللہ کی حاکمیت کا اعلان ہے ان کے کانوں سے ٹکراتا ہے تو ان کے چیخ اٹھتے ہیں اور جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو کسی اور قانون کی یا اس میں کم از کم ترمیم کی کر اٹھتے ہیں ۔ لیکن مجھ کو صاف صاف کہہ دینے کا حکم ہوتا ہے کہ یہ تو میرے بس کی بات نہیں میں اپنے نفس کی پسند سے اس کو بدل دوں میرا تو مشرب ہی یہ ہے کہ جو مالک حقیقی حکم

کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا جائے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں میں تو اس کی نافرمانی کو عذاب یوم عظیم کا سبب سمجھتا ہوں۔" درحقیقت ایسا شخص اپنے نفس کی ہوا کا بندہ ہوتا ہے

قرآن مجید میں ہے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔

کیا پس تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور اس کو اللہ نے باوجود علم کے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور اسکی آنکھوں پہ پردہ کر دیا پس اسے اللہ کے بعد کون ہدایت دے سکتا ہے کیا پس تم اب بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ (محمد) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ (النجم) کہ وہ تو اپنی ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور جو نفس خواہش کرے۔

یعنی اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی ہوا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ہدیٰ اور ہوا دو متضاد چیزیں ہیں اتباع ہدیٰ کے لیے ترک ہوا لازم ہے جہاں ہوا کی ظلمت ہوگی وہاں ہدیٰ کی روشنی نہیں ہو سکتی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ)

پھر ہم نے آپ کو شریعت کی راہ پر رکھا ہے پس آپ اسی کی پیروی کریں۔ اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (النازعات)

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے آپ کو ہوائے نفس سے روکا۔ پس اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

نفس انسانی بے شمار خواہشات و رزائل کا مجموعہ ہے لیکن ان سب میں زیادہ خطرناک تکبر و انانیت ہے اسکا زائل کرنا اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر محال ہے نفس کے لیے اپنی مرضی سے مجبور کا رہنا اپنی مرضی سے رات کو جاگنا اپنی مرضی سے جنگلوں میں جا بسنا آسان ہے لیکن جو کام اس کے لیے بہت مشکل ہے وہ یہ ہے کہ اپنی مرضی چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کو اپنا لینا۔ یہ ضرب اس کے سر پر پڑتی ہے جس طرح سانپ کے جسم میں سر ہے اس طرح نفس کی خواہشات کا سر اسکی انانیت ہے جو ہوائے نفس کا سرچشمہ ہے۔ اتباع کا فلسفہ یہی ہے کہ اتباع سے ضرب ہوائے نفسانی کے سرچشمہ پر پڑتی ہے جو زہر کا مرکز ہے۔ اسلام نے تزکیۂ نفس کا یہ عجیب فلسفہ بیان کیا ہے کہ اگر اللہ کے حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں کوئی اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ بھی رکھے تو یہ کام عبادت ہے اور اگر اپنی ہوائے نفسانی سے نماز پڑھے روزہ رکھے، تلاوت کرے، ہجرت کرے سب کچھ غفلت ہی غفلت ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ

پس افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں

رُبَّ قَارِئٍ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَالْقُرْاٰنُ يَلْعَنُهٗ۔

کتنے ہی قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا التَّعَبُ وَالْجُوْعُ۔

کتنے ہی روزے دار ہیں کہ ان کو سوائے بھوک پیاس کی تکلیف کے کچھ حاصل

نہیں ہوتا۔

صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوِامْرَأَةٍ یَّنْکِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ۔

اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور جس کی ہجرت حصول دنیا کیلئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کیلئے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ جب بندہ ہر حال اپنے آپ کو اللہ کے حکم میں بند کر دے تو ہر چیز بندگی ہے اس انقیاد کا استحضار الیا بے تکلف و دائمی ہو کہ وہ اس آیت کا مصداق ہو جائے

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

فرما دیجئے کہ میری نماز میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب کچھ) اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

یہاں دو چیزیں اختیاری ہیں اور دو غیر اختیاری۔ نماز قربانی تو اختیاری ہیں۔ اور حیات و ممات غیر اختیاری۔ یعنی عبودیت یہ ہے کہ اختیاری و غیر اختیاری امور میں بھی اللہ ہی کو مالک حاکم جان کر مطیع و فرمانبردار اور راضی برضا رہے۔ حضرت امیر کبیر ہمدانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے بندگی کرا اور بات ہے اور بندہ بننا اور بات ہے۔ بندگی تو یہ ہے کہ جو حکم فرمائیں بجا لائے اور بندہ بننا یہ ہے کہ مالک جو کچھ بھی کرے جس حال میں بھی رکھے اس میں مالک سے راضی رہے۔

بعض حضرات نے لِیَعْبُدُوْنَ کا ترجمہ لِیَعْرِفُوْنَ کیا ہے کہ مقصد تخلیق معرفت خداوندی ہے۔ عبادت و معرفت دونوں لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ جب اللہ کی کبریائی و عظمت کو پہچانے گا تو اپنا عجز نظر آئے گا اور اس کے سامنے جھک پڑے گا۔ اور جب

اس کی قدرت و بے نیازی کو پہچانے گا تو اپنی محتاجی و فقر نظر آنے لگے گا اور اس کے سامنے
دست سوال دراز کر دے گا۔ جب اس کی حکومت و بادشاہت کو پہچانے گا تو سب کچھ اسی
کے سپرد کر کے راضی برضا درماندگی کے قدموں پر گر پڑے گا۔

یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝

اے جان مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ
تجھ سے راضی ہے پس تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یہاں نفس مطمئنہ اور فی عبادی دو لفظ زیادہ غور طلب ہیں۔ کہ بندوں میں شمار اس کا ہے
جس کا نفس مطمئنہ ہے۔ مقام عبدیت اور اطمینان نفس لازم و ملزوم ہیں۔ یہاں ایمانیات کے
متعلق علمائے اہل سنت کے ارشادات کو پیش نظر رکھنا مفید ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایمان
اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اگر تصدیق قلب نہ ہو تو اقرار باللسان منافقت
ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ
بِمُؤْمِنِیْنَ ۝

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ
وہ مومن نہیں۔

یہ اسلام کے بدترین دشمن ہیں جن کے متعلق "اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" کی وعید آئی ہے۔ اس کے بعد کفر ہے کہ نہ دل میں تصدیق نہ زبان سے
اقرار۔ لیکن بعض کفر ایسے ہیں جن کے اندر یقین و معرفت بھی موجود ہوتی ہے۔ لیکن تصدیق نہیں
ہوتی۔ یہاں یقین نفسی و معرفت قلبی اور تصدیق قلبی کے درمیان فرق سمجھئے۔ فرعون کے متعلق
قرآن نے فرمایا۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (النمل)

کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار ظلم اور سرکشی یعنی تکبر کی وجہ سے کیا۔ حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔ اور یہود کے متعلق سورۃ بقرہ میں ہے۔ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ۔ جب ان کے پاس وہ چیز آگئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب اللہ جس کو انہوں نے پہچان لیا تو اس کے کافر ہو گئے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ یقینِ قلب اور معرفت قلب جس کے ساتھ قبولِ احکام۔ عہد وفاداری اور انقیاد قلبی نہ ہو بے فائدہ ہے۔ جب دل کے اندر تصدیق تا ایں معنی پیدا ہو کہ "وہ میرا خالق و مالک ہے اور اس کے انبیاء جو کچھ لائے ہیں حق ہے اور میں اس کی فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں" تب تک ایمان دل کے اندر داخل نہیں ہوتا۔ اور یہی عمل قلبی ایمان کا وجود ذہنی ہے کہ جس کے قائم ہوتے ہی ہوائے نفس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اس کی تمام شہوتیں کالعدم قرار پاتی ہیں۔ جب اس غلامی کا اقرار زبان یا کسی ظاہری عمل سے بھی کر لیا تو مومن ہو گیا۔ یہ ہے تصدیق قلبی اور اقرار باللسان۔ رحمٰن و رحیم کی مہربانی سے اسی پہ مغفرت کی بشارت دے دی گئی ہے۔ خواہ اس کے ساتھ اطمینان قلب اور اطمینان نفس جمع نہ ہی ہو۔ اس تصدیق قلبی کے عمل قلبی سے نفسِ انسانی غلامی قبول تو کر لیتا ہے لیکن چونکہ بذات خبیث ہے اور کفر کی جبلت پہ پیدا کیا گیا ہے اس لیے غفلت و نافرمانی پر اکسانا رہتا ہے۔ لیکن اگر اس کو نبی کے حکم میں اچھی طرح جکڑ دیا جائے تو آہستہ آہستہ امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے مطمئنہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا راضی ہو جاتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہو جاتا ہے جس میں ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ

کہ تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز

کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔

یہی مقام اطاعت ہے یہی مقصد تخلیق ہے۔ یہی مقام عبودیت ہے۔ اللہ عزوجل اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہم سب کو نصیب فرمائے آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ٥

# خطبہ صدارت

## عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۵ راکتوبر سنہ ۱۹۶۹ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ لا وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیر لو بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں پر اور [illegible] مال اس کی محبت میں دیتا رہے

قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں اور سائلین کو اور گردنوں کے آزاد کرانے میں۔ اور قائم رکھے نماز اور دے زکوٰۃ۔ اور پورا کرنے والے اپنے وعدوں کو جب وہ وعدہ کریں۔ اور صبر کرنے والے تنگی اور بیماری اور لڑائی میں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

یہ آیت مبارکہ دوسرے پارے کے چھٹے رکوع شروع کی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی جبکہ بیت المقدس کی بجائے مسجد حرام کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوا۔ یہود اور منافقین کی طرف سے طرح طرح کی بدزبانیوں کا طوفان امنڈ آیا۔ قرآن مجید نے ان کے اعتراضات کے بڑے مدلل جوابات بڑی تفصیل سے دیئے۔ کیونکہ ان میں بے شمار حقیقی اقدار کو اجاگر کرنا مقصود تھا۔ جو اسلام کی روح رواں ہیں۔ دوسرے پارے کا آغاز اسی سلسلہ سے ہوا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط

عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ کس چیز نے ان کو اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ فرما دیجئے کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے۔

کتنی ٹھوس دلیل سے سفہاء کے قول کا رد کر دیا۔ کہ نادانو! یہ سب جہات اللہ ہی کی پیدا فرمائی ہوئی ہیں وہ ان میں مقید نہیں اور وہ جدھر چاہے منہ کرنے کا حکم کر دے۔

ممکن ہے یہاں سفہاء کا لفظ استعمال کرتے میں یہ راز ہو کہ چونکہ پہلے پارے کے دوسرے رکوع میں منافقین کا قول مومنین کے حق میں نقل کیا گیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تو کہتے

کیا ہم ایمان لے آئیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لے آئے ہیں۔

اَلَآ اِنَّھُمۡ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنۡ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ ؁ خبردار! وہی بے وقوف لوگ ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے۔

منافقین اپنی عیاری و مکاری اور دورنگی کو عقلمندی سمجھتے تھے اور مومنین کے سچے دل سے نفع و نقصان سے بے پرواہ ہو کر مسلمان ہو جانے کو نادانی خیال کرتے تھے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا مسلمانوں کو نادان سمجھنے والے ہی نادان ہیں۔ جو فریب خوردہ ہیں لیکن حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اس جگہ منافقین کو سفہاءُ کہا کہ اپنی فریب کاری اور دنیا سازی کی وجہ سے نورِ بصیرت کو ایسے کھو چکے ہیں کہ صاف حقیقت اور سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔ آگے ارشاد فرمایا۔

یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ؁ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت فرما دیتا ہے۔

منافقین کے اعتراض سے چند بڑی اقدار مجروح ہوتی تھیں اولاً یہ کہ قبلہ کوئی مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ ایک جہت ہے حقیقت میں توجہ الی اللہ مقصود ہے قبلہ کو ناقابلِ تبدل سمجھنا گویا کہ اللہ کو مقید جاننا ہے اور یہ باطل ہے اس لیے مسلمانوں کو اس گمراہی سے نکالنے کے لیے تحویلِ قبلہ کا حکم فرمایا۔

ثانیاً یہ کہ قبلہ کا تقرر کسی کی اپنی مرضی سے نہیں یہ اللہ کا حق ہے وہ جدھر چاہے منہ کرنے کا حکم فرمائے اور جب یہ اللہ کے حکم سے ہے تو اب کیا اعتراض ہے یہی تو وہ صراطِ مستقیم ہے۔ دینِ قیم اور ملتِ حنیفہ ہے کہ کسی بھی ما سوا اللہ کو مقصودِ حقیقی نہیں جانتے اور ملتِ حنیفہ پر یہ خاص فضل الٰہی ہے کہ ان کی توحید کو نکھارتے رہنے کے لیے ایسے اسباب بناتا رہتا ہے جیسے کہ ملتِ حنیفہ کے بانی کی سوانح میں پایا جاتا ہے۔

قُلۡ اِنَّنِیۡ ھَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّۃَ

اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

فرما دیجئے کہ مجھے میرے رب نے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرما دی ہے وہ دینِ قیم اور ملت ابراہیم ہے جو سب سے منہ موڑ کر میرا ہی ہو رہنے والا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کو صراطِ مستقیم فرمایا وہی دینِ قیم اور ملت ابراہیمی ہے جو ہر قسم کے شرک سے مبرا ہے۔ یہاں بھی وہی لفظ استعمال ہوا۔ یھدی من یشآء الی صراطٍ مستقیم ۔ یہ دونوں امر واضح فرمانے کے بعد ایک اور اہم قدر کو ظاہر فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ۔

اور ہم نے اس قبلہ کو جس کی طرف آپ متوجہ رہ چکے ہیں اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کرتا ہے اور کون اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جاتا ہے۔

تحویل قبلہ پر اعتراض میں چونکہ منصبِ رسالت کا انکار اور اس سے نادانی کا ثبوت تھا اس لیے اس کو بھی اتنے ہی زور سے بیان فرمایا کہ ہم نے تو بیت المقدس اسی لیے قبلہ بنایا تھا کہ ہم یہ جان لیں کہ رسول جو کعبے کا بھی کعبہ ہے اور تمام اقدار اسلامی کے دائرے کا مرکز ہے۔ اس کی تابعداری جو دین کی اصل الاصل ہے کون اختیار کرتا ہے۔

ان آیات میں توحید و رسالت کی معرفت کا ایک اہم اصول بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ کہ احکام و اعمال کے اہم نشان اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت و شان معلوم کرانے کے ذرائع ہیں یہ مقصود بالذات نہیں کہ ہم انہیں کو بت بنالیں مقصود اصلی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں رضائے حق ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ

نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا۔

یعنی تمام تخطیمی اقدار اپنی اپنی جگہ پر مسلّم لیکن جب وہ مرکزی اقدار سے ٹکرا ئیں گی تو ہم سب کو پس پشت ڈال دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عین نماز کی حالت میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو نماز میں ہی بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا آج بھی وہ مسجد مدینہ شریف میں موجود ہے جہاں عصر کی نماز میں حکم نازل ہوا اسے مسجد ذو قبلتین کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے بیت المقدس شمال کی جانب ہے اور مسجد حرام جنوب میں ہے یعنی یکدم شمال سے جنوب کی طرف منہ پھیر لیا۔ اگرچہ یہ ایک عظیم سانحہ تھا لیکن ہدایت یافتہ نفوس بڑی آسانی سے اس آزمائش سے گذر گئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

کہ اگرچہ یہ ایک قبلہ سے دوسرے قبلہ کی طرف پھر جانا بڑی بات تھی لیکن جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی ہو ان کے لیے سہل تھا۔

اس نقطہ کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید میں بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً قرآن مجید نے اللہ کے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ذکر فرمایا۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ

یہ کہ میرا شکر کر اور والدین کا

اور عبادت خدا کے ساتھ ہی والدین سے احسان کو فرمایا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۝

اور تیرے رب نے فیصلہ ہی فرما دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

آگے چل کر ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا

كَرِيْمًا ؕ

اور نہ کہہ ان کو اُف تک اور نہ جھڑک انکو اور ان سے بڑی تکریم سے بات کر۔ لیکن اسی
قرآن میں فرمادیا۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا
تُطِعْهُمَا ۔

اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تو مجھ سے شرک کرے جس کا تیرے پاس کوئی علم نہیں تو تو
انکا ہرگز کہا نہ مان۔

اور اسی قرآن مجید میں اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے صِدِّيْقًا
نَّبِيًّا فرمایا حالانکہ اس کے باپ کے الفاظ اسی رکوع میں ہیں لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ
لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۔ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۔ آزر نے کہا اے ابراہیم اگر تو
بتوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور مجھ سے علیحدہ ہو جا تو حضرت ابراہیم علیہ
السلام اسے سلام کہتے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے یعنی والدین کی تعظیم ایک اخلاقی قدر ہے
لیکن اگر یہ بھی قدر حقیقی اور مرکزی اقدار سے ٹکرائے تو مرکز کی طرف متوجہ ہو جانا ہی توحید ہے۔
اسی طرح دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے لیے گھوڑے پالے لیکن جب
وہی چیز غفلت عن الذکر کا سبب ہوئی تو فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ
تو ان کی گردنوں اور کونچوں کو کاٹنے لگے (اور حق تعالےٰ سے خطاب نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ
پایا۔ کیا ہی خوب بندہ تھا کہ میری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس)

تحویل قبلہ پر اعتراضات کے جوابات دینے کے بعد فرمایا۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ

اور ہر ایک کی ایک جہت ہے جس کی طرف منہ پھیرتا ہے پس تم بھلائیوں میں بڑھ جاؤ۔
یعنی اے ایمان والو [illegible] میں بسنے والو تمہیں کسی ایک سمت منہ تو کرنا ہی ہے

یہ کوئی مقصود قدر نہیں اور نہ ہی باعث تفضّل ہے کام کی بات تو یہ ہے کہ نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھ جاؤ یعنی صرف اسی پر قانع نہ ہو رہو کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا بلکہ حقیقت میں قابل فخر یہ بات ہے کہ رب کعبہ کی اطاعت میں دوسرے لوگوں سے بڑھ دکھاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں جو شروع میں تلاوت کی گئی ان حسنات کی تشریح و توضیح فرما دی اور فیصلہ کن بات فرما دی کہ اصل میں جو اقدار مقصود ہیں وہ یہ ہیں۔

ایمانؔ باللہ۔ ایمان۲ بالآخرۃ۔ ایمانؔ بالملائکہ۔ ایمانؔ بالکتب۔ (اگرچہ یہاں واحد کا صیغہ ہے۔ لیکن اس سے مراد تمام کتب سماوی ہیں چونکہ اصل تعلیم میں سب کتابیں ایک ہی ہیں۔ اس لیے یہ سب مل کر ایک کتاب ہیں یا یہ کہ کتاب مفرد لفظ کا اسم جنس ہونے کے سبب سب کو شامل ہے۔ ایمان بالنبیین۵ (آیت کا یہ حصہ مجملاً اعتقادات پر مشتمل ہے) اللہ کی محبت کے جذبہ میں مال خرچ کرنا۔ اقامت۸ صلوٰۃ۔ اداۓ زکوٰۃ (آیت کا یہ حصہ اعمال پر مشتمل ہے)۔ ایفاۓ عہد عاہدوا کے باب کی خاصیت ہی یہ ہے کہ آپس کے مابین معاہدات کو پورا کیا جائے (اس میں جملہ معاملات اور حقوق العباد ہیں) صبر و رضا تنگی میں بیماری میں اور جنگ میں (آیت کا یہ حصہ اخلاق پہ مشتمل ہے)

یہ ہیں بارہ اصول حسنات جنکی پابندی کرنے والوں کی صفت میں فرمایا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

یہی ہیں جو صادق ہیں اور یہی ہیں جو حقیقی پرہیزگار ہیں۔

صَدَقُوْا میں قوت نظریہ کی اصلاح کا اشارہ ہے اور مُتَّقُوْنَ میں قوت عملیہ کی اصلاح کی طرف اشارہ ہے ان دونوں قوتوں کی تکمیل اصل نیکی ہے ان اصول حسنات کو پس پشت ڈال کر صرف رسوم مذہب و ملت کی پابندی میں کیا رکھا ہے نہ مشرق کی طرف منہ کرنے سے صادق ہوتا ہے اور نہ مغرب کی طرف منہ کرنے سے متقی ہوتا ہے۔ اللہ اللہ کیا جامع کلام ہے۔ کہ اعتقادات و اعمال اور اخلاق کو کس خوبصورتی سے جمع کر دیا اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ایک ہی وزن سے

بیان کر دیا۔ گویا یہ آیت ان کے اعتراضات کا تحقیقی جواب تھا کہ یہ کیا لغویات کہتے ہو کہ ہمارے قبلہ سے منہ پھیر کر کسی اور قبلہ کی طرف منہ کیوں پھیر لیا۔ اصل قبلہ تو یہ اقدار مذکورہ ہیں جن کی طرف تم نے پشت کر رکھی ہے اور مسلمانوں نے بفضل خدا حقائق کے اس سرچشمہ کی طرف منہ پھیر لیا ہے جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی جس کی تمثیل خانۂ کعبہ کی شکل میں ظاہر فرمائی۔

آجکل ہمارے ہاں بھی یہ مرض عام پائی جاتی ہے کہ دین کی فروعات پر بڑی شدّومدّ سے پہرہ اور اصولِ دین سے لاپرواہی یا ان کو معمولی بات سمجھنا۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ـــــ شادیوں کے موقعوں پر ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے لیکن مہر کی رقم جو فرض ہے یہی خیال کیا جاتا ہے کہ مرتے وقت بخشوا لیں گے۔

۲۔ ـــــ کسی کے ہاں اگر کوئی فوت ہو جائے تو ختم فاتحہ پر بڑا زور ہو گا لیکن یتیموں بیواؤں اور دوسرے حق داروں کے حقوق ادا کرنے کو معمولی بات سمجھ کر ٹال دیا جاتا ہے

۳۔ ـــــ دکھاوے کی خیرات عام لیکن زکوٰۃ کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا اور اس کی ادائیگی میں سینکڑوں حیلے بہانے بنائے جاتے ہیں۔

۴۔ ـــــ نفلی عبادات پر بڑا اصرار اور فرضوں کے اہتمام میں کوتاہی۔ اہل تصوّف کے ہاں تصوّف کا بس اتنا ہی تصوّر رہ گیا ہے کہ کسی گدی سے وابستہ ہو جانا اور خاص قسم کی مروّجہ وضع قطع اور لباس اپنا نا جبّہ و دستار زیب تن کر لینا۔ قوالی کی محفلوں میں سر دھننا۔ تعویذ گنڈے کا کاروبار چلانا عرس کرنا شجرہ پڑھنا وغیرہ۔ پیر کی دست بوسی اور قدم بوسی کر لی اور نذر و نیاز دے دی اور سمجھ لیا کہ مریدی کا حق ادا کر دیا

اگرچہ یہ امر تمام اہل اسلام کے لیے بھی مذموم ہے لیکن اہل تصوّف کے لیے خصوصاً افسوس کے قابل۔ کیونکہ تصوّف کا امتیازی نشان ہی یہ ہے کہ وہ اعمال کی ظاہری حد تک ہی نظر نہیں رکھتا بلکہ اعمال کی روح اور حقائق و اسرار سے بھی آشنائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہائے

افسوس آج اسلام و تصوف کے دعوے ہی دعوے رہ گئے ہیں اور حقیقت سے عاری۔ باطن کے کورے بصیرت کے اندھے مسند نشین ہو گئے ہیں۔

رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

لاف و شیخی درجہاں انداختن
خویشتن را بایزید ساختن !

تصوف مقامِ احسان سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی ایمان و اسلام کے بعد یعنی عقائد و اعمال کے بعد احوال کا تیسرا بلند مرتبہ احسان کا ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ

کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔

اور حال یہ ہے کہ آج جنہیں نماز تک پڑھنی بھی نہیں آتی جن کی طبع آزاد فرائض و احباب اور سنن کی بھی رعایت رکھنے کو برداشت ہی نہیں کرتی بلند بانگ دعوے کرتے پھیرتے ہیں اور اگر کوئی جرأت کر کے ان کی خدمت میں گزارش کر دے کہ حضرت یہ طریقہ جس سے آپ نماز پڑھتے ہیں سُنت طریقہ کے خلاف ہے تو جھٹ علماء پر ٹوٹ پڑتے ہیں تکبّر سے ناک منہ چڑھا کر عجیب عجیب قسم کے آوازے کسنے لگتے ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ ان کا باطن کھل کر سامنے آجاتا ہے اگر دل میں تقوی خوف خدا خشیت الٰہی آخرت میں پرسش اعمال کا یقین ہو تو اللہ کا حکم سنتے ہی دل ڈر جائے کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آجائے تو ان کے دل کانپ

اٹھتے ہیں۔

لیکن یہاں تو خود پسندی تکبر اور غرور نفس کی وجہ سے آپے سے باہر ہو ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسے آدمی کو مار پیٹ کر مجلس سے نکال دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے ایسے ہی شخص کے حق میں قرآن نے فرمایا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ

اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کو غرور نفس اور زیادہ گناہ کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے حاشیہ نشین یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ شاید یہ طریقت والے لوگ کسی اور راہ سے چپکے سے خدا تک پہنچ گئے ہیں جس کی علماء کو خبر نہیں اور نہ ہی قرآن و سنت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ تمام سلاسل طریقت کے اکابر کے ارشادات پڑھیے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ تصوف کا ماخذ قرآن و سنت ہی قرار دیتے ہیں اور اس کے خلاف کو زندقہ و الحاد سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ نقطہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ جب کوئی علوم شرعیہ کا استخفاف کرے گا یعنی ان کو ہلکا جانے گا تو اس کی رجعت یہ ہوگی کہ اسے اتباع سنت کے نور سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس کے دل و دماغ پر ایسا زنگ اور اس کے فکر میں ایسی کجی پیدا ہو جائے گی کہ علوم نبویہ جو سراسر فطرت کے مطابق ہیں سمجھنے سے عاری ہو جائے گا کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ

فقیر تو اس معاملہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جن متصوفین نے احکام شرعیہ کا التزام کرنے میں جتنی جتنی کمی کی ہے اتنا ہی ان کے معارف میں کجی اور ظلمت محسوس ہوتی ہے توحید وجودی کو حلول و اتحاد کی صورت میں پیش کرنے والوں کی تکفیر میں تو کوئی گنجائش ہی نہیں البتہ جنہوں نے اس معرفت کو بتکلف شرعی تاویلوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کے حال پر مجموعی طور پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے فرائض

زیادہ نوافل پر توجہ دی اور حقائق سے زیادہ رسوم کی طرف مائل رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلاف شرع احوال ان پر کھلے جن کی تاویل میں تکلف کرنا پڑتا ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ اکثر توحید وجودی والوں کو اپنے حال کی سند میں وہ حدیث قدسی بیان کرتے سنا ہے جس میں آیا ہے۔

وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ

اور ہمیشہ میرا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے میرا بندہ، ساتھ نوافل کے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اسے محبت کرنے لگتا ہوں تو ہوتا ہوں میں کان اس کے، جس سے وہ سنتا ہے، اور آنکھ اسکی، جس سے وہ دیکھتا ہے۔

اور کہیں بھی نہیں پڑھا کہ انہوں نے اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو بھی بیان کیا ہو حالانکہ اسی حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ۔

اور نہیں قریب ہوتا طرف میری، بندہ ساتھ کسی شئی کے کہ زیادہ پیاری ہو مجھ کو، اس سے جو فرض کی ہے میں نے اس پر۔

یعنی میرا قرب بخشنے والی چیزوں میں محبوب ترین چیز فرائض ہیں (اور وہ محدود وقت میں ہیں) اسلیے بندہ ان فرضوں کے ادا کرنے کے بعد ہمیشہ میرا قرب ڈھونڈتا ہی رہتا ہے نوافل سے الی آخرہ

آپ غور سے دیکھیں گے کہ یہ لوگ فرضوں کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ تو ضابطہ اور انتظام شریعت ہے اصل بندگی تو نفلی کام ہیں اسی استخفاف فرض نے انہیں کہاں سے

کہاں پہنچا دیا۔ اور جن لوگوں نے علوم شرعیہ کے اتباع میں ہی کوشش بلیغ کی یہ نہیں کہ نفل پڑھے ہی نہیں بلکہ فرض کی اہمیت کو اپنی جگہ رکھا جیسا کہ امام الطریقۃ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوبات شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ پہ فرض اور نفل کا فرق ظاہر کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ فرض ایک بحر بے کنار ہے اور نفل ایک قطرہ۔ پھر فرماتے ہیں کہ کیا کروں اس سے بڑی اور کوئی مثال ذہن میں نہیں اسلئے یہی کہتا ہوں ورنہ فرض کے ساتھ نفل کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پہ وہ معارف کھلے جو سراسر شریعت کے مطابق ہیں۔ اب آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ اسلام اور تصوّف کے اندر جو نت نئی گمراہیاں اور بدعتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ان کی وجہ کیا ہے یہ بدعتیں خواہ تصوّف میں ہوں خواہ تمدنی و معاشی نظاموں میں ہوں سب کی وجہ اصول دین سے صرفِ نظر یا ان کا استخفاف ہے۔

اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ ہر چیز کو قرآن وسنّت میں تلاش کرتے تھے۔ اس سے باہر ان کو کوئی چیز مطلوب نہ تھی۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی ءٍ فردوہ الی اللہ والرسول کا یہی مطلب ہے۔

لن تضلوا ما تمسکتم بھما تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے جب تک قرآن وسنّت سے تمسک رکھوگے۔ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ قرآن وسنّت کا علم ہی کسی چیز کی صحت کی دلیل ہے تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جس امر پہ علماء من حیث القوم جمع ہوں وہی حق ہوگا (انفرادی طور پہ فروعی اختلاف الگ بات ہے) حدیث نبوی ہے العلماء ورثۃ الانبیاء (کہ علماء ہی انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں) قرآن مجید میں ہے

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

کہ اللہ عزّوجل سے علماء میں ہی سے ڈرتے ہیں۔

خشیت الٰہی علماء کا ہی خاصہ ہے کیونکہ بے علم تو اللہ سے ڈرنا جانتا ہی نہیں کہ کیسے ڈرنا چاہیے جب علم اور علماء کا استہزاء ہو رہا ہو گا تو خشیت کہاں سے آئے گی وہ سمجھتا ہو گا کہ میں ڈر رہا ہوں لیکن وہ حقیقت میں ڈرتا نہیں ہوتا جب وہ نور علم میں دیکھے گا تو مذعوم خشیت لاپرواہی نظر آئے گی۔ بے علم کے ڈرنے کی مثال اس گنوار کی سی ہے جو کھیت سے سانگا لیکر گھر پہنچا اور پیار سے اپنے اکلوتے بیٹے کے پیٹ پر رکھ کر کھجلانے لگا اسے یہ اندازہ نہ رہا کہ بچے کا پیٹ کتنے دباؤ کا متحمل ہو گا وہ لکڑی اس کے پیٹ سے پار ہو گئی۔ ٹھیک یہی حالت بے علم کی ہوتی ہے کہ وہ جس چیز کو محبت کی بات سمجھتا ہے۔ اسی سے اس کے دین کا پیٹ پھٹ جاتا ہے لہٰذا یہ واضح نشان ہے کہ جس فرد یا گروہ کے ہاں علوم شرعیہ اور اہل علوم شرعیہ کو اچھی نظر سے دیکھا جاتا ہو گا وہاں ہر قسم کی خیر و برکت ہو گی اور جب کسی فرد یا گروہ سے آپ کو ایسی کلام محسوس ہو کہ وہ علوم نبویہ اور ان کے حاملین کو صرف حیثیت القوم برے یا ہلکے الفاظ سے یاد کرتا ہے تو وہ فرد یا جماعت ضرور گمراہ ہے جب آپ نے یہ جان لیا کہ مستقیم الاحوال شخص کی علامت یہ ہے کہ عقائد و اعمال قرآن و سنت کے مطابق ہوں اس کے لیے قرآن و سنت کے علوم کا جاننا ضروری ہو گا علماء کی تعظیم اور علم سے شغف ہو گا تو اب ان اصول کے اپنانے کے نتائج و ثمرات اور افراط بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۱۔ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں بڑھے گی۔

۲۔ آخرت کی محبت بڑھے گی اور دنیا کی محبت کم ہو گی۔

۳۔ امراض قلبی تکبر، نخوت، غرور، خود پسندی کی جگہ عجز، تواضع، انکساری آئے گی غیبت، حسد، کینہ، بخل کی جگہ پردہ پوشی، حلم، عفو و سخا آئے گی۔
فحش منکرات سے نفرت اور عفت و حیا سے پیار ہو گا۔
نمازیں قنوت و اخبات اور خشیت کی آئینہ دار ہوں گی۔

## ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر

بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے

دوستو! غور تو کرو کہ اگر ہمارے دل ایمان ویقین کے نور سے خالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وا طاعت میں سست ہوں آخرت کی باز پرس سے بے غم۔ تکبر ونخوت اور حب مال اور حب جاہ سے پر ہوں۔ حلال وحرام کی تمیز سے خالی جو ہاتھ لگے شیر مادر سمجھ کر کھا جائیں غیبت اور مسلمانوں کی دل آزاری کرنے میں بے باک ہوں۔ ریا ونمود ہمارا محبوب مشغلہ ہو۔ ہماری نمازیں منافقوں کی سی نمازیں ہوں ہمارا بولنا جھوٹ افترا ہو تو خدا کے لیے سوچو تو سہی یہ ہمارے جبے ودستار لوٹا ومصلی یہ ہمارا شانوں کو دبانا اور مستی بھرے انداز میں لوگوں کو چور آنکھ سے دیکھنا اور یہ ہمارے ختم وعرس ہمیں اللہ کی بارگاہ میں کیا کام آئیں گے اور ہمیں کس چیز سے بے نیاز کریں گے اور اگر مخلوق کو ہم نے دھوکہ دے بھی لیا تو کب تک؟ آخر روز مکافات سر پر ہے۔ اپنے ظاہر اور باطن سے اللہ تعالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کی مخلوق سے مخلصانہ رویہ اختیار کرو صرف خالی رسوم کو ہی منتہائے نظر نہ بناؤ کیونکہ وہ مالک جس کے قبضہ میں ہم اور ہماری ہر ایک چیز ہے وہ دلوں کی باتوں کو بھی جاننے والا ہے اسے کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی ہم اس کی گرفت سے کہیں باہر جا سکتے ہیں۔

مبارک ہے وہ شخص جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کی ظاہر وباطن میں تابعداری کی اور اس کے نظریات واعمال اور احوال واسرار سنت کے مطابق ہو گئے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ ۔

اے ہمارے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

# خطبہ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتاریخ یکم اکتوبر ۱۹۷۰ء

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

وہ ذات وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اس پر اللہ گواہ کافی ہے۔

اس آیتہ مبارکہ میں اللہ عزوجل نے اپنی ہستی اور توحید پر ایک عجیب دلیل فرمائی کہ وہ ذات وہ ہے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا یعنی رسول کا وجود، توحید خداوندی کی ایک روشن دلیل ہے۔

خدا کو جانا ہے دیکھ کر تجھ کو اسکی شان جمیل تو ہے
خدا کی ہستی پہ میرے نزدیک سب سے روشن دلیل تو ہے

اگرچہ ہر ایک صفت اپنے صانع کی ہستی کی دلیل ہے اور ہر صفت صانع کی معرفت کا ذریعہ ہے لیکن جو معرفت خدا معرفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ چیزے دیگر است۔

آگے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے یعنی اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے مغلوب ہونے کے

کے لیے نہیں۔ اسے سربلند ہی رہنا ہے اور سربلند ہی رہے گا۔ ممکن ہے کسی کو خیال آئے کہ آج مسلمان تو ہر طرف ذلیل و خوار ہو رہے ہیں تو یہ قرآن کا وعدہ کس طرح پورا ہوگا۔ جواب یہ ہے۔ دین اسلام کے غالب رہنے کا وعدہ ہے نہ کہ برائے نام مسلمانوں کا۔ ہاں جب صحیح معنوں میں مسلمانوں نے اسلام کو اپنا دین بنایا اور اپنے ظاہر و باطن، عقائد و اعمال اور معاملات و اخلاق کا ماخذ اسلام بنایا تو وہ ایسے غالب رہے جن کو دنیا جانتی ہے۔

اس کی مثال لائف بلٹ کی ہے جو اس کو سینے سے لگائے رکھے گا تیرتا رہے گا اور جو اسکو چھوڑ دے گا وہ خود تو ڈوب جائے گا لیکن وہ لائف بلٹ تیرتا ہی رہے گا۔

اسی طرح آج اگر مسلمان پست ہیں تو فقط اس لیے کہ دین کو چھوڑ دیا یا دین کو دین نہ سمجھا ورنہ دین فی نفسہٖ آج بھی سربلند ہے۔ وہ اس طرح کہ جو اصول اسلام نے دنیا کے سامنے رکھے تھے دنیا کو آج چار و ناچار ان کے سامنے جھکنا پڑا ہے۔ مثال کے طور پر چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ اسلام نے عقیدۂ توحید کو بڑی شدّ و مد سے ایسے وقت میں پیش کیا جبکہ تمام دنیا شرک میں مبتلا تھی حتیٰ کہ اہل کتاب بھی مشرکوں سے کسی بات میں کم نہ تھے۔ اس دعوت پر عجیب عجیب پھبتیاں کسی گئیں۔ کہیں کہا گیا۔ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ قَالُوْا اَنَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ۔ لیکن آخرکار اسلام کی اس دعوت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ہندو جیسی چھتیس لاکھ دیوتاؤں کی پجاری قوم میں آریہ فرقہ پیدا ہو کر رہا جس نے بت پرستی کے خلاف بغاوت کر دی۔ عیسائیوں جیسی تثلیث پرست قوم میں پروٹسٹنٹ فرقہ پیدا ہوا جس نے ایک میں تین اور تین میں ایک کے فلسفہ کو خلاف عقل قرار دیا۔ "یہ ہے اسلام کا غلبہ اور سربلندی"

اسی طرح اسلام نے نکاح بیوگان کی ترغیب دلائی تو ہندوؤں نے اس پر ناک منہ

چڑھائے کہ یہ کیا عجیب حکم ہے لیکن اس قانون فطرت کی قوت قاہرہ تو ملاحظہ ہو کہ آج بھارت جیسی ہندو اسٹیٹ میں باقاعدہ قانون بنا دیا گیا ہے کسی بیوہ کو ستی نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے نکاح ثانی کی باضابطہ اجازت دے دی گئی ہے۔ کیا یہ اسلام کا غلبہ نہیں ہے؟

اسی طرح اسلام نے شدید ضرورت کی حالت میں طلاق کی اجازت دی تھی کہ جب مرد و عورت کے نبھاکی کوئی صورت ممکن ہی نہ رہے تو یہ فطرت کے خلاف ہے کہ ساری عمر کے لیے ایک کو دوسرے سے قانونی طور پہ تو بندھا رکھا جائے اور قلبی طور پہ وہ معاشرے میں تنہا چھوڑ دیئے جائیں۔ اسلام نے اجازت دی کہ طلاق اور اس کے بعد عدت (جو کہ غیرت انسانی کی آبرو اور نسل انسانی کے تحفظ کا بہترین طریقہ ہے) کے بعد دونوں نکاح ثانی کرلیں ممکن ہے اللہ عزوجل دونوں کیلئے پہلے سے بہتر سبیل پیدا فرما دے۔ اس فطرت کے ترجمان پر سب سے زیادہ لے دے عیسائی قوموں نے کی کیونکہ ان کے ہاں طلاق جائز نہیں اور اگر کسی نے عورت کو طلاق دے دی تو اب ساری زندگی نہ تو وہ مرد کسی عورت سے اور نہ وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے لیکن فطرت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے انجام کار ان کو بھی فطرت کی طرف جھکنا پڑا اور آج تو نوبت بایں جا رسید کہ یورپ کے عیسائی ملکوں میں مرد تو مرد عورتیں بھی طلاق دیتی ہیں۔ کیا یہ اسلام کا غلبہ نہیں ہے؟

اسی طرح ہندو پانی پہ سفر کرنے کو پاپ خیال کرتے کیونکہ وہ پانی کو جل دیوتا سمجھتے تھے اور دیوتا کے اوپر سفر کرنا گناہ سمجھتے۔ حالانکہ بحری سفر کے بغیر بین الاقوامی تجارت اور معاشرت قائم ہی نہیں رہ سکتی ہائے افسوس انسانی عقل کتنی ناقص ہے لیکن پھر بھی ہم خداوند کریم کی ہدایت کی قدر نہیں کرتے اور اپنی اندھی عقل کی بندگی میں لگے رہتے ہیں اسلام نے ٹھیک فطرت کے مطابق بحری سفر کی ترغیب دلائی کہ ہم نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس میں جہاز رانی کرو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ آج دنیا کی بین الاقوامی تجارت کا

۴۴ بحری سفر سے وابستہ ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ جب یہ فقیر ۱۹۶۳ء میں حج کیلئے گیا تو معلوم ہوا کہ خلیج فارس میں سوائے ایک پاکستانی کمپنی کے تمام جہاز ران کمپنیاں بھارت کی ہیں کیا یہ اسلام کا غلبہ نہیں ہے؟

ماضی قریب میں بین الاقوامی طور پر تمام دنیا کے انٹیلی جنسی کے محکموں میں ایک سوالنامہ جاری کیا گیا تھا کہ موجودہ زمانہ کی نئی نسل کی بے راہ روی اور جرائم کے انسداد کی روک تھام کے لیے کیا تدبیر ہونی چاہیئے جبکہ پہلی تمام تدبیریں بیکار ثابت ہو رہی ہیں سارے دنیا کے ماہرین نے تھوڑے بہت لفظی اختلاف سے یہی متفقہ طور پر جواب دیا تھا کہ جب تک دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہ ہو جرائم کا مکمل انسداد نہیں ہو سکتا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ اسلام تو سب سے پہلے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور عقائد کے استحضار اور اعمال کی ورزش سے اسی خوف خدا کو پیدا کرتا ہے چنانچہ قرآن نے شروع میں ہی اعلان فرما دیا۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ ہر معاملہ میں دنیا کو لوٹ پھیر کر اسی نکتہ پر آنا پڑتا ہے جس کی طرف داعیٔ فطرت نے بلایا تھا۔ کیا یہ اسلام کا غلبہ نہیں ہے؟

ثابت ہوا کہ اسلام تو آج بھی سربلند ہے اور اس حقیقت کو دشمن بھی مانتا ہے۔ آپ کے ملک کا وزیر قانون آج سے دس سال قبل انگلینڈ میں قانون دانوں کی کسی عالمی کانفرنس میں انسداد جرائم کے موضوع پر گفتگو کرتا ہوا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اسلام کے بغیر کوئی قانون جرائم کا انسداد نہیں کر سکتا۔

اسلام دین فطرت ہے جس طرح فطرت کے خلاف نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اسلام کے خلاف کوئی بھی نظریہ درست نہیں ہو سکتا مثلاً اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا کہ کچھ دیر کام کرنے کے بعد اسے آرام کی حاجت ہو اس فطری داعیہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ ساری عمر کام ہی کرتا رہوں اور آرام نہ کروں تو یہ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح بھوک ایک فطری تقاضا ہے اس کی تکمیل کئے بغیر انسانیت کا بقا متصور ہی نہیں۔

اسی چیز کو قرآن نے کتنے حسین پیرایہ میں ارشاد فرمایا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ سو تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف رکھو۔ یہی وہ فطرۃ اللہ ہے جس پر لوگوں کو پیدا فرمایا ہے

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی خلق کو بدلا نہیں جا سکتا۔ یہی تو سیدھا دین ہے۔

دیکھئے انسانی وجود کو جس اصول پر ترکیب دے دیا گیا ہے اس کو دنیا کے سارے حکمار بھی مل کر بدلنا چاہیں تو ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں کر سکتے یہ کوئی نہیں کر سکتا کہ سر کو پیٹ کی جگہ اور پیٹ کو سر کی جگہ ہاتھوں کو پاؤں کی جگہ اور پاؤں کو سر کی جگہ پر رکھ دیں۔ پھر ہر مخلوق کے تکوینی تقاضے مختلف بنا دیئے گئے ہیں اور ان کو وجود کی حفاظت و بقاء کے لیے قدرت نے الہام فرمایا۔ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ہر شی کو خلقت عطا فرمائی اور پھر ہر ایک کو تکوینی ہدایت بھی عنایت فرمائی مثلاً بکری کے بچے کا بکری کے تھنوں کی طرف لپکنا اور مرغی کے بچے کا زمین پر چونچ مارنا وغیرہ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے خالق نے انسان کو ٹھیک فطرت کی راہ پر گامزن کر کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوئی راہ نہ بتائی ہو گی۔

اب دین کے مفہوم کو قرآن کی روشنی میں عرض کروں گا۔ بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ دین چند اعتقادات و احکام کا مجموعہ ہے اور بس حالانکہ قرآن نے جو دین کا مفہوم بیان فرمایا ہے وہ اتنا ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔ تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔

پہلے تو یہاں پر اُس چیز کو فتنہ فرمایا گیا ہے جو دین اللہ کے راہ میں حائل ہو خواہ وہ نفس کی بغاوت یا شیطان کی شیطانیت اقتدار و سیاست کی قوت استبداد و سرکش قوتوں کی رکاوٹ ہو سب فتنہ ہے یہ سب چیزیں فتنہ اور فساد ہیں خواہ اپنے اندر کتنی ہی رنگینی و جاذبیت رکھتی ہوں۔ ان کو ختم کر کے دین اللہ کا ہو جائے۔ معاشرے میں غیرِ خدا کی فرمانروائی جس سے اللہ کے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے میں رکاوٹ ہو فتنہ ہے اور اس کے خاتمے کے لیے جہاد ہے۔ کیونکہ یہ فسادِ دین کی ضد ہے لہٰذا ہر شعبۂ حیات میں دینِ اللہ کو جاری کرنا مقصودِ اسلام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہے جب کہ آپ نے اپنے بھائی بنیامین کو روکنا چاہا تو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے یہ تدبیر بتا دی کہ بھائیوں کے منہ سے نکلوا دیا کہ ہم تو چور کو یہ سزا دیتے ہیں کہ چوری کرنے والا مال والے کی ایک سال غلامی کرے وہاں ارشاد ہوتا ہے مَا کَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ یعنی یوسف کے شایانِ شان نہ تھا کہ وہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑ لیتا مگر یہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔ یہاں دین بمعنی ملکی قانون کے استعمال ہوا ہے یہاں دین کی وسعت کو بیان فرما کر ان لوگوں کے باطل نظریات کی جڑ کاٹ دی ہے جو انسانی تمدن، سیاست، عدالت، قانون، اور ایسے ہی دوسرے امور دنیوی کا تعلق دین سے نہیں جانتے۔

اسی طرح سورۃ نور میں زانیہ اور زانی کی سزا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَلَا تَاْخُذْکُمْ بِہِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ۔ اللہ کے دین کے معاملہ میں تمہیں رحمدلی شفقت نہ روک لے۔ یہاں قانون فوجداری کو دین فرمایا۔

امام بر سر مطلب ... لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ تاکہ اس کو تمام ادیان پر

غالب کر دے ۔ اب جب کہ دین کے مفہوم کی وسعت کا بھی اندازہ ہو گیا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان کا فرض ہے کہ نہ صرف عقائد و اعمال اخلاق و احوال میں ہی دین کا پابند رہے بلکہ تمدن معاشرت سیاست قانون و عدالت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام اور فقط اسلام کو اپنائے ۔ کیونکہ یہی ایک دین ہے اور سب کچھ فتنہ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔ بیشک دین اللہ کے ہاں فقط اسلام ہے ۔

اب ہمارا فرض ہے کہ ہر اس نظام حیات کا انکار کر دیں جو اسلام کے سوا ہو۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ۔ اور جس نے تمام سرکش قوتوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان رکھا پس تحقیق اس نے بڑے مضبوط حلقے کو تھام لیا ۔

انہیں الفاظ کو اللہ تعالےٰ نے سورۃ صف میں فرمایا وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ اور سورۃ توبہ میں فرمایا وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر وہ کافر جس کے پاس اللہ کا دین آیا اور اس نے تحریف سے اس کا حلیہ بگاڑ دیا یا جو سرے سے کسی نبی کے ماننے والے نہ تھے اور اپنی ہی عقلی تک بندیوں سے ضابطہ حیات تیار کرنے والے ہوں سب کے نظام ہائے حیات پر اسلام غالب ہے اس زمانہ میں یہ دوسری قسم کی وبا زیادہ پھیلی ہوئی ہے ۔ لیکن جس طرح اسلام کے اصولوں کے سامنے عیسائیت یہودیت مجوسیت نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں اسی طرح یہ نئے فتنوں کا بھی توڑ فقط اسلام ہی ہے ۔ آج جتنے بھی ازم شیطان نے یا شیطانی مکاروں نے اسلام کے مقابلے میں لا کھڑے کر دیئے ہیں ان سب کو اسلام کے ہاتھوں ہی شکست ہو گی کیونکہ یہی ایک دین الٰہی ہے جو غالب رہے گا لیکن بڑے افسوس کی بات یہ ہے آج مسلمان کو اسلام پر یقین نہیں رہا ۔ یہ ہر کام میں کفر کی پیوندکاری سے کام لیتا ہے حتیٰ کہ اگر زندگی کے شعبوں میں صریحاً اسلام ترک نہیں کرتا تو بھی اس کو ناقص و نامکمل سمجھ کر اور ذہنی اختراع سے اسلام کو کسی اور ہی نظام حیات

میں رنگنا چاہتا ہے۔

آخر میں دوستوں کو یہ نصیحت ہے کہ حتی الامکان ہر بات میں اسلام کے رنگ کو اپنائیں حتیٰ کہ پانی پینے، چھینکنے، ہنسنے رونے ہاتھ منہ دھونے تک معمولی معمولی کاموں میں بھی اسلام کے طریقوں کو اپنائیں اور بڑے سے بڑے معاشی معاشرتی تمدنی سیاسی کاموں میں بھی اسلام اور فقط اسلام کے طریقوں پر کاربند رہیں اور ایسے ہی لوگوں سے تعاون کریں جو فقط اسلام کی سربلندی کے خواہاں ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

# خطبۂ صدارت

سالانہ عرس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء

٭

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَعِبًا وَّلَہۡوًا ط

اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے کھیل کود کو اپنا دین بنا لیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا لیا ہے۔

مذہب و دین کی تو وہ باتیں ہونی چاہییں جو انسان کے قلب کو منور اور نفس کو پاکیزہ بنائیں اور اس کی دنیا کی بھی اصلاح کریں۔ اعمال دینی اور وظائف بندگی سے تو مقصود ہی یہ ہو کہ مشاغل دنیوی اور علائق نفسانی سے جو کدورت انسان کے قلب و باطن پر اثر کر جاتی ہے اس کا ازالہ کیا جائے نہ کہ الٹا ایسے امور کو مذہبی عبادت سمجھا جانے لگے کہ جن سے اور زیادہ کثافت طاری ہو۔

کفار کے بڑے بڑے مذہبی اجتماعات اور تقریبات کو دیکھیں جن کو وہ بڑی عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ گانے بجانے۔ اچھلنے کودنے اور مردوں عورتوں کے اختلاط کے سوا کچھ

بھی نہیں ہوتے ۔ کفار مکہ کے متعلق قرآن میں ہے ۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً کہ ان کی بیت اللہ کے نزدیک نماز صرف تالیاں اور سیٹیاں بجانا ہے ۔

اس کے برخلاف اسلام کی تقریبات و اجتماعات کو دیکھیں کہ کس قدر تقدس و پاکیزگی اور طہارت کا مجموعہ ہوتے ہیں ۔ تسبیح و تہلیل ، ذکر و فکر اور خیرات و حسنات کے مظاہرے ہوتے ہیں ۔ حج بیت اللہ ۔ عیدین اور نماز جمعہ کا اجتماع دیکھیں کس قدر پاکیزہ اعمال و اخلاق کا مجموعہ ہیں ۔ جن میں روح کی بالیدگی ، قلب کا انجلا ، نفس کی طہارت ، اخلاق کا سنورنا ، عادات کا سدھرنا ، تمدن و معاشرت کے روابط کا مضبوط ہونا سب ہی شامل ہیں ۔ کافرانہ تقریبات کے بعد جو لہو و لعب کا مجموعہ ہیں قلب میں افسردگی روح میں پژمردگی ، چہرے میں نحوست و یبوست ظاہر ہوتی ہے اور اسلام کے وظائف بندگی کے بعد قلب و قالب میں انوار اور سفلی جذبات میں برودت ہوتی ہے ۔ یہ ہے دین ۔ یہ بڑی صحیح کسوٹی ہے جس سے ہر منصف مزاج صحیح و غلط کا امتیاز کر سکتا ہے ۔

آئیے ! ہم اس وقت یہ دیکھیں کہ اسلام جیسی پاکیزہ شئی ملنے کے بعد ہم نے کیا کچھ حاصل کیا ۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بھی بہتوں نے بالکل اسلام کی منشاء کے خلاف بلکہ ٹھیک کفر کی راہوں کو اختیار کر رکھا ہے ۔ ہم جس طرح اسلامی تہوار مناتے اور مذہبی اجتماعات کرتے ہیں غور تو کریں ان میں اسلام کی روح ہے یا کفر کی بُو ۔ آج جس طرح ہم معراج و شب براءت ، عید میلاد اور عرسوں کو مناتے ہیں ان میں اور کافر دل کے میلوں ٹھیلوں میں کیا فرق ہے ؟ وہی گانے بجانے وہی عیش و نشاط وہی عریانی و فحاشی وہی مردوں عورتوں کا اختلاط ۔ کیا یہ سب کچھ اسلام کے خلاف نہیں ؟

پچھلے دنوں یہاں ایک عرس منایا گیا سر راہ ڈھول بجتے رہے اور لوگ ناچتے رہے فلمی گانوں کی ریکارڈنگ اس زور سے ہوتی رہی کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ۔

قوالی کی محفلیں خوب گرم اور وعظ کی مجلس میں منتظمین بھی غائب۔ یہ بڑے محتاط عرسوں میں سے ایک ہے اور جہاں کوئی روکنے والا نہیں، وہاں تو بھنگڑے اور ناچ ہوتے، چرس، بھنگ اور شراب کے دَور چلتے اور لہو و لغو کے بازار لگتے ہیں۔ کیا یہی تعلیمات تھیں ان اہلِ قبور کی جن کے عرسوں میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ خدارا انصاف کرو کیوں ان لوگوں کو بدنام کرتے ہو۔ اولیاء اللہ اور اکابرینِ اُمت کی لطافت و دِقتِ نظر تو گناہ صغیرہ اور بدعت حسنہ کی اصطلاح کو بھی برداشت نہیں کرتی وہ تو ہر گناہ کو کبیرہ اور ہر بدعت کو سیئہ کہنے پر اصرار کرتے ہیں شاید کسی کے دل میں خیال آئے کہ پھر آپ خود عرس کیوں کرتے ہیں تو یقین جانیئے صرف اس خیال سے کہ اگر ٹھیک ٹھیک اسلامی تعلیمات کے مطابق اجتماعات نہ ہوں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ صلحاء اُمت کے نزدیک معاذاللہ عرس سے مراد اسی قسم کے ہی اجتماعات اور میلے ٹھیلے ہیں جیسے آجکل یہ لوگ کرتے ہیں۔ حالانکہ عرس کے اجتماع میں ایسا تقدس و پاکیزگی خلوص وللہیت، ذکر و فکر اور توجہ الی اللہ ہونی چاہیئے کہ حدیث مقدسہ کی بشارت کے مطابق ملائکہ اس مجلس کی طرف کھچے ہوئے آئیں یہ محفل نفسانی و شیطانی خیالات سے اس قدر مبرا ہو کہ ارواح طیبہ کی توجہ بلکہ یوں کہنے دو کہ خود رُوحِ مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی توجہ بھی اس محفل کی طرف مبذول ہو جائے اور وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ[1] کی مصداق ہو جائے اللہ اللہ ہمیں تو یہ بتایا گیا تھا کہ تمہاری محفلیں اس نوعیت کی ہوں کہ اس کو فرشتوں نے اپنے نورانی پروں سے ڈھانپا ہوا ہو۔ اور جب وہ برخاست ہوں تو قَدْ غُفِرَ لَكُمْ[2] کے مژدہ جانفزا سے گونج اٹھیں۔

ممکن ہے کسی کو یہ بھی خیال آئے کہ یہ مقصد تو ہر دینی اجتماع میں بھی حاصل ہو سکتا ہے یعنی حج۔ عیدین۔ جمعہ اور دوسرے وعظ و تدریس کے اجتماعات۔ تو میں کہوں گا کہ بیشک یہ

---

۱؎ اور آپ ان سے اپنی توجہ نہ ہٹائیں۔ ۲؎ تحقیق تمہیں بخش دیا گیا۔

مقصد حاصل ہے لیکن مجالس کے عام ہونے کی وجہ سے اور حاضرین کی قلبی ارادت اور پوری ہمت و توجہ کے فقدان سے پورا پورا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس چیز کو جب مجلس کے خاص کرنے اور امیر مجلس سے عقیدت و ارادت کے وابستہ ہونے سے پورا کیا جاتا ہے تو ٹھیک مجلس نبوی کی اتباع کی وجہ سے انوار و اثرات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔ وہ برکات و انوار جو مجلس نبوی میں نبی کی موجودگی اور آپ سے حاضرین کی ارادت کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے وہ مجاز و نیابت کی صورت میں بمصداق، اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ کی صورت میں برکات کئی گنا زیادہ ہو جاتے ہیں اور طریقت کو اپنانے سے استعداد اور ہمت کے بڑھ جانے اور کیفیات کے زیادہ ہو جانے میں یہی راز ہے۔ ورنہ وظائف طریقت سے کوئی ایسا امر مطلوب نہیں جو شریعت پر زائد ہو۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ عرض کیا تھا کہ چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے دین کو کھیل کود بنا لیا ہے۔ یعنی دین کو معمولی بات سمجھتے ہیں جس طرح کھیل کود کی ہار جیت معمولی بات ہے اس طرح دین کو غیر اہم اور بس دل لگی سمجھتے ہیں۔ اس کو اپنے تمام شعبہ ہائے حیات میں دستور العمل نہیں بناتے اور اس کے احکام بجالانے میں ہمت صرف نہیں کرتے اور کوشش بلیغ نہیں کرتے بلکہ اس کو ایک اضافی شئی نجی معاملہ اور اختیاری مضمون سمجھتے ہیں یہ بھی دین کو کھیل کود سمجھنے کے مترادف ہے اگر کوئی کام دین کے احکام کے مطابق ہو گیا تو کوئی خوشی نہیں اور اگر خلاف ہو گیا تو کوئی غم نہیں۔ نماز پڑھ لی گئی تو بھی خیر اور اگر رہ گئی تو بھی ٹھیک۔ کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ علی الاعلان صریح حرام کھاتے رہے تو بھی اور اگر کہیں سے حلال مل گیا تو بھی برابر کوئی امتیاز نہیں۔ بلکہ دونوں کو عملاً ایک ہی بات سمجھتے ہیں یہ بھی دین کو کھیل کود سمجھنا ہے۔ دین کے احکام کو سبک سمجھنا دین کی سبکی کرنا ہے اور بہت بڑا گناہ ہے۔ بعض لوگ چند وظائف بجالانے کے بعد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب کچھ کچھ گناہ بھی کر لینے کا ہمیں حق حاصل ہو گیا ہے حالانکہ اوامر کے بجالانے سے زیادہ ضروری نواہی سے باز رہنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ فرما دیجئے کہ میں تو ڈرتا ہوں اگر اپنے رب کی نافرمانی کی یوم عظیم کے عذاب سے۔

"دینیے" کھیل کود نہیں بلکہ نہایت اہم اور سنجیدہ کام ہے اسی سے دونوں جہان کی بھلائی وابستہ ہے۔ ہمارے دینی مشاغل میں اسی لیے عزم بھی نہیں اور رُوح بھی نہیں ہے کہ ہم اس کو معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ آج لوگ اللہ اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بڑی بے باکی سے جو منہ میں آتا ہے کہنے لگتے ہیں۔ قرآن وحدیث نبوی کے متعلق ہر احمق وفاسق اور فاجر وفاتر رائے زنی کرنے اور عیب نکالنے لگتا ہے۔ علماء وصلحاء امت کے متعلق بکواس کرنے رہنا دن رات کا مشغلہ بنا رکھا ہے قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ منافقوں سے کہہ دیجئے کیا اللہ اور اسکی آیات سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ ان باتوں سے توبہ کر دیہ لاابالی اور عدم احتیاط تمہارے دین کے وجود میں زہر قاتل ہے۔ کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی معمولی سمجھ کر نہ کرو۔ شاید کہ اسی سے مالک ناراض ہو جائے اور کسی چھوٹی سی چھوٹی نیکی کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑو شاید کہ اسی سے مالک کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

—— ✳ ——

# خطبۂ صدارت

سالانہ عرس مبارک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور کہو بات سیدھی۔ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح اور گناہوں کی مغفرت فرمائے گا۔ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچ گیا۔

اللہ عزوجل نے اس آیۂ مبارکہ میں ایمان والوں کو خطاب فرمایا ہے۔ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ ہم سب کو ایمان کامل نصیب فرمائے اور ہم سب کا ایمان سلامت رکھے۔ عام تکیہ کلام ہے کہ بھائی دنیا سے کیا لے جانا ہے۔ سب کچھ یہیں رہ جانا ہے۔ صرف ایمان ساتھ لے جانا ہے [illegible] کہ بھائی پھر اچھی طرح دیکھ لو کہ وہ ساتھ

ے جانے والا ایمان ہے بھی پاکر نہیں ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو اللہ کو مانتا ہے بس وہ ایمان والا ہے۔ حالانکہ بزعم خود کافر بھی اللہ کو مانتے ہیں۔ لیکن وہ ماننا ایمان نہیں ہے۔ کفار مکہ اپنے خیال میں خدا کو مانتے تھے، بلکہ وہ اللہ کے گھر کے غلاف کو پکڑ کر یہ دعائیں کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

اے اللہ اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے حق ہے تو ہم پہ آسمانوں سے پتھر برسا یا ہم پہ کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔

آخر خدا کو وہ مانتے ہی تھے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ پھر بھی تم ہمیں کافر کہتے ہو۔ جس کے جواب میں قرآن نے فرمایا۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِهٖ

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کی تعمیر کرنا اللہ اور آخرت پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر سمجھ لیا ہے۔

یعنی پانی پلانا سبیلیں لگانا اور مسجدیں بنانا اور بات ہے اور ایمان لے آنا اور بات ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار فرمایا ہے کہ اے میرے رسولؐ! ان سے پوچھیں، یہ آسمان کس نے بنایا ہے؟ یہ زمین کس نے بنائی؟ یہ سورج، چاند کس نے بنائے؟ اور یہ دن رات کو کون بدلتا ہے تو وہ ضرور کہیں گے۔ اللہ۔ معلوم ہوا کہ وہ اللہ کو مانتے تھے لیکن یہ ماننا اور بات ہے اور ایمان لے آنا اور بات ہے۔ بنی اسرائیل کو نبی آخرالزمان صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نشانیاں بتائی گئی تھیں جب آپ دنیا میں تشریف لے آئے اور انہوں نے آپ کو اور آپ پہ نازل شدہ

قرآن کو اچھی طرح پہچان لیا تو قرآن نے ان کے حال کی خبر دی فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ پس جب ان کے پاس وہ آگیا جسکو انہیں نے پہچان لیا تو اسکا انکار کر دیا۔ معلوم ہوا کسی حقیقت کو محض پہچان لینا اور بات ہے اور ایمان لے آنا اور بات ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو بے شمار معجزات دکھائے تو قرآن نے فرمایا۔ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۝ اور انہوں نے ان کا انکار کر دیا ظلم اور تکبر کی وجہ سے ۔ حالانکہ ان کے نفسوں نے انکا یقین کر لیا تھا معلوم ہوا کہ یہ یقین نفس بھی ایمان نہیں بنتا۔ کسی حقیقت کے متعلق محض یقین اور بات ہے اور اس پر ایمان لے آنا اور بات ہے۔

اور حد تو یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے نو بارہ جتھے داروں نے جب نبی کے گھر شبخون مارنے کا منصوبہ بنایا تو ایک دوسرے کو اللہ کے نام کی قسمیں دلائیں کہ کسی کو مت بتانا ۔ وَقَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ اور انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ ہم ضرور شبخون ماریں گے ۔ معلوم ہوا وہ بھی اللہ کو مانتے تھے ۔ لیکن یہ ماننا ایمان نہیں ہے ۔ ایمان وہ ماننا ہے کہ جس میں اللہ کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ وہ اپنی ذات و صفات سے ہے ۔ اسی لیے علماء کرام نے قرآن و حدیث سے جو کچھ ایمان کے مفہوم کو سمجھا وہ ایمان کی مجمل اور مفصّل صفات میں جمع کر دیا۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ۝

پھر ان میں ہر ایک چیز بہت بڑی تفصیل کا اجمال ہے۔ مثلاً اللہ کی کسی ایک صفت

کا انکار اللہ کے انکار کے مترادف ہے۔

انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کا انکار سب نبیوں کے انکار کو مستلزم ہے احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار سب حکموں کے انکار کے مترادف ہے۔ یعنی ایمان ایسے ماننے کا نام ہے جس میں تمام عقائد، تمام احکام اور تمام متعلقات کو مانا جائے۔

غالباً مسلم کی حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھے لیکن نماز نہ پڑھے تو اس کے کلمہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر کلمہ اور نماز پڑھے لیکن زکوٰۃ نہ دے تو اس کی نماز اور اس کے کلمہ پڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر کلمہ پڑھے، زکوٰۃ دے، نماز پڑھے لیکن روزے نہ رکھے۔ تو نہ اس کی زکوٰۃ کا اعتبار، نہ نماز کا اعتبار اور نہ کلمہ کا اعتبار ہے۔ اور اگر کلمہ پڑھے، نماز پڑھے، زکوٰۃ بھی دے اور روزے بھی رکھے، لیکن حج نہ کرے تو اس کے روزے، زکوٰۃ، نماز اور کلمہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ یہ ہے کامل ایمان جو ساتھ جانے والا اور نجات دلانے والا ہے۔

اسی لیے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایمان نہ کم ہوتا ہے، نہ زیادہ۔ یعنی جن چیزوں کا ماننا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کے بھی نہ ماننے سے ایمان کی نفی ہو جاتی ہے اور جس چیز کا ماننا جائز نہیں اس جیسی ایک چیز کے بھی اضافہ سے ایمان نہیں رہتا۔ یہ نہیں کہ چودہویں صدی میں کوئی کہنے لگے کہ مجھے بھی مانو تو ایمان ہوگا یا جو باتیں میں نے اضافہ کیا ہے اس کو بھی مانو تو ایمان ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ بس کافروں کی طرح اللہ کو مان لیا اور اس کی صفات سے انکار، یا رسولؐ کو مان لیا اور اس کے تمام حقوق سے انکار۔ یہ طرزِ عمل جائز نہیں۔

اس کی مثال بجلی کے بلب کی سی ہے کہ ایسا مکمل ہے کہ اس سے نہ کچھ نکالا جا سکتا ہے اور نہ اس میں کچھ ڈالا جا سکتا ہے

اِتَّقُوا اللّٰہَ۔ اللہ سے ڈرو۔ یعنی یہ ایک حکم بھی ہے اور ایمان کامل ہونے کا نشان بھی۔ یعنی ایمان کے بعد اِتقا ضروری ہے۔ اگر اِتّقا ہوگا تو ایمان مکمل ہوگا۔

وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۔ اور بات کہو سیدھی سیدھی۔ الفاظ کے پیچ پیچ سے فتنے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ آج لوگوں نے دین کو ایسی مشکل منطق بنا دیا ہے کہ عام آدمی کے لئے دین کو سمجھنا بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک فطری اور صاف سیدھا مذہب ہے۔ اس کی کتاب مبین اور واضح ہے۔

اگرچہ قَوْلًا سَدِیْدًا میں عقائد و اعمال و اخلاق اور معاملات سب میں صاف گوئی کا حکم ہے۔ لیکن مجھے اس وقت جس چیز کی طرف زیادہ توجہ دلانی ہے وہ متصوفین کی وہ بیہودہ باتیں ہیں جو انہوں نے عدم احتیاط سے مشرکین کے دیکھا دیکھی اسلام میں بھی کہنا شروع کر دیں اور تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا۔

کہیں توحید وجودی کے تذکرے ہو رہے ہیں اور تصوف اور اسلام کا حاصل بس اسی توحید کو قرار دیا جا رہا ہے۔ کہیں اس کی آڑ میں حلول و اتحاد کے عقیدے اپنائے جا رہے ہیں کہیں فنا و بقا کی بحث میں خدائی صفات کو بندوں میں ثابت کیا جا رہا ہے۔ کہیں طواف و سجدہ کو غیر اللہ کے لیے جائز کہا جا رہا ہے۔ کہیں اولیاء اللہ اور انبیاء اللہ کے توسل و شفاعت کو اس رنگ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ بس مذعومہ توسل کے بعد تمام اسلامی عقائد و اعمال اور حلال و حرام کے سب مسئلے عبث معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کہیں اولیاء و صلحا کے متعلق تاثر دلایا جا رہا ہے کہ بس کارسازی، روزی رسانی اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کا سارا نظام اولیاء کے ہاتھ میں ہے۔ گویا کہ خدا تو بس مخلوق کو پیدا کر کے خلوت نشین ہو گیا ہے۔ عجیب مذہبی دہریت ہے۔

یہ سب باتیں کرنے والے قرآن کی آیات و احادیث بھی پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں لیکن سیدھی باتوں کو ایسی پیچ در پیچ تاویلات اور الجھاؤ سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ کہیں

ادھر یار محمد جھنگ والا میموں مُنڈرا پا ئن آندا ای

یعنی خدا ہی محمد بن کر آ گیا ہے

کہیں یہ گایا جا رہا ہے۔

۵ کیوں اوہلے بہ بہ جھاکی دا ✤ ورچ پردہ رکھیو ای خاکی دا
کتے عنایت نام رکھایو ای ✤ ہُن مُھلا ای بن آیو ای

آخر یہ کہاں کی معرفت ہے اور اس سے کیا اصلاحِ عمل ہوگی۔ اللہ پاک ہے اس سے کہ وہ کسی بندے میں آئے یا بندہ خدا میں داخل ہو جائے۔ وہ تشبیہ و تمثیل سے پاک ہے۔ وہ صمد ہے اور اس کی کفو و جنس کا کوئی نہیں۔ بندہ بہرحال بندہ ہے۔ وہ کسی حال و مقام میں بندگی سے باہر نہیں ہوتا اور نہ خدائی میں داخل ہوتا ہے۔ قرآن نے تو صاحب لولاکؐ کے متعلق فرمایا۔ " فاوحی الی عبدہٖ "

جب ایسے مقام پر جب پر کسی غیر کا پہنچنا محال ہے وہ عبد، عبد ہی رہا تو کسی اور کیفیت میں بندہ کیسے بندگی سے تجاوز کر سکتا ہے۔ یہ سب مستی و سکر کی باتیں ہیں جن سے مسلمانوں کو بالخصوص نقشبندیوں کو سخت پرہیز کرنا چاہیئے۔ آج مجددی حضرات بھی تشبیہ و تمثیل کی باتیں کریں اور توحید وجودی پر قیل و قال کریں تو کتنے تعجب کی بات ہے۔

دراصل ان کو اپنا مقام ہی معلوم نہیں۔ اسی لئے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جتنا نقصان اسلام کو جاہل صوفیوں سے ہوا ہے۔ اتنا کسی سے نہیں ہوا۔

فقیر کو ایک مرتبہ ایک گاؤں میں کسی ایسے آدمی نے جو نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ میں بیعت تھا پوچھا کہ کسی ولی اللہ کے مزار پر جا کر کیا کرنا چاہیئے۔ فقیر نے مسنون طریقہ بتایا کہ جب کسی مزار پر جائے تو سلام کہے اور جو کچھ میسر آئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرے اور اس کے بعد اللہ سے دعا کرے۔ اس پر تو تمام علماء اہلِ سنت متفق ہیں اور بعض یہ بھی اجازت دیتے ہیں کہ بزرگ کا توسل اللہ کی بارگاہ میں کرے کہ اے اللہ اس مقبول بارگاہ کی طفیل میری فلاں مشکل آسان فرما دے۔ بعض کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔ اور تیسری بات کہ اے فلاں بزرگ تو اللہ سے دعا کر کہ وہ میری مشکل آسان کر دے۔ اس میں سوائے چند ایک کے جمہور اس کو

ناجائز قرار دیتے ہیں اور چوتھا طریقہ کہ اے فلاں بزرگ تو دے، تو یہ قطعاً حرام ہے۔ اس پر وہ سائل کہنے لگا کہ ہم تو جی یوں ہی کہتے ہیں کہ اے داتا! تو لڑکا دے اور جب لڑکا ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں۔ داتا نے لڑکا دیا ہے۔ فقیر نے کہا یہ صریح شرک ہے۔ اس پہ وہ صاحب بگڑ گئے اور اس مسئلہ پر اور ایک اور مسئلہ پہ انہوں نے علاقہ کے بڑے مفتی کے ہاں ہماری پیشی کرا دی کہ یہ تو بزرگوں کو نہیں مانتے۔

اس وقت خیال آیا کہ نقشبندیوں کی توحید کا تو یہ عالم تھا کہ بایزیدؒ کو وصال کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے یہ بھی کیوں کہا تھا کہ "رات کو دودھ پیا تھا تو پیٹ میں درد ہو گئی۔ درد ہم لگاتے ہیں یا دودھ؟" آج اسی سلسلہ میں یہ جہالت۔

پچھلے دنوں ایک بہت بڑے مشہور سجادہ نشین کے متعلق ایک معتبر دوست نے بتایا کہ وہ مریدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں علماء بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے "مولویو! بتاؤ موت کے بعد کیا ہوتا ہے" (یہ ٹون نہایت خطرناک ہے)

تو کسی نے موت کے وقت کی کیفیات۔ کسی نے موت کے بعد قبر اور منکر نکیر کے سوال و جواب اور عذاب قبر کا۔ کسی نے قیامت کا ذکر کیا۔ کسی نے حشر و نشر کا۔ کسی نے حساب و کتاب کا۔

سب کی باتیں سن کر وجدانی و مستانی کیفیت میں فرمانے لگے۔ میرا تو خیال ہے بس اللہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے گا اور حکم ہوگا کہ "لاؤ میرے بندوں کو" فرشتے پیش کرنے شروع کر دیں گے اور اللہ کہتا جائے گا کہ اچھا یہ بابا فریدؒ کا متوسل ہے۔ اسے جنت میں لے جاؤ۔ یہ داتا کا ماننے والا ہے اسے بھی جنت میں لے جاؤ۔ یہ معین الدین چشتیؒ کا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! بات تو درست ہے لیکن اس توسل سے مراد کیا ہے؟ یہ سمجھنے کی بات دراصل تو تاثر یہ دینا چاہتے ہیں کہ بس مرید بنا فکر نہ کرو۔ تمہیں بھی یہ کہہ کر کہ یہ فلاں بزرگ کا مرید ہے بس چھوڑ دیا جائے گا

یہ تو شریعت کے سارے نظام کو درہم برہم کر دینے کی بات ہے۔

کسی دوست کی والدہ فوت ہو گئی۔ ایک بزرگ جو اکثر ان کے ہاں آیا کرتے تھے اور بزعم خود وہ اُن کی والدہ کے پیر بھتے آ کر کہنے لگے "شیخ صاحب" فکر نہ کریں ہم نے آپ کی والدہ کی بخشش کی سفارش کر دی ہے۔" زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے تھے کہ دعائے مغفرت کر دی ہے۔ اللہ اپنا فضل فرمائے۔

لیکن اس بات کو اس غلط رنگ میں بیان کیا کہ سامع یہ تاثر لے کہ یہ صاحب تو بڑے صاحب اختیار ہیں۔ بس جس کی چاہیں بخشش کی سفارش کر دیں۔ اب تو ان کو خوب خوش کرنا چاہیئے اور خوب خدمت کرنی چاہیئے۔ حالانکہ یہ اختیار تو اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔ یہ تو قیامت میں فیصلہ ہو گا۔ کہ کون اور کس کی اور کتنی سفارش کرنے کا اجازت دیا جائے۔

ابھی تو اپنی خبر نہیں کسی کے متعلق کیا دعویٰ۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ○

جس روز روح اور فرشتے صفیں باندھے کھڑے کیے جائیں گے کوئی بھی کلام کی جرأت نہ رکھے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت فرمائے اور وہ بات بھی درست کرے۔

اگر کسی کو اس دنیا میں مبشرات سے کچھ حاصل ہو بھی تو وہ ظنّی ہے قطعی بات نہیں۔

آخر اصحاب رسُول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی تو تمام قرآن اور صاحب قرآن کی زبانِ مبارک سے قطعی بشارتیں نہیں سُنی تھیں۔ لیکن کسی نے کوئی ایسا تاثر نہیں لیا کہ جس سے اعمال صالحہ میں فرق آ جائے اور آیتہ "یُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ" کا ارشاد ہی بتا رہا ہے کہ بات دراصل سعید وہی ہے جس سے اصلاحِ عمل پیدا ہو نہ کہ فسادِ عمل۔ کسی معرفت کی صحت کا سب سے بڑا نشان ہی یہ ہے کہ اس سے اصلاح عمل پیدا ہو اور معصیت سے بچنے کی فکر ہو اور اللہ اور رسُول کی اطاعت پر حرص بڑھے۔

خود نبی کریم علیہ السلام کی سنت بھی تو یہی ہے کہ جوں جوں اللہ کی رحمتیں زیادہ نازل ہوتیں عبادت زیادہ کرتے حتیٰ کہ جب آیتہ لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ نازل ہوئی تو قیام و استغفار میں کثرت کر دی۔ عرض کی گئی کہ اب تو یہ آیتہ مغفرت نازل ہو گئی ہے۔ فرمایا۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا

اسی طرح اللہ کی رحمت اور فضل کے مفہوم کو بھی کچھ لوگ اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ آدمی یقیناً بے عمل ہو جاتا ہے اور بے عملی پہ لوگ فخر کرتے اور اس کو عین معرفت سمجھتے ہیں۔

بھلا اللہ کے رسولؐ اور رسولؐ کے صحابہ سے فضل خداوندی اور شفاعت نبویؐ کو کون زیادہ سمجھ سکتا ہے اور کون زیادہ مستحق ہو سکتا ہے۔ لیکن انہوں نے فضل اور شفاعت کے مفہوم کو بس وہی کچھ سمجھا جس سے اصلاحِ عمل پیدا ہو۔ اسی طرح ہی فضل و شفاعت اور توسّل کو سمجھنا سنّت ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ سب زندقہ و الحاد ہے۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ اور ایسی بات کہو جو گناہوں کی مغفرت کا سبب بنے نہ کہ گناہوں پر ابھارنے کا اور ان سب باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

یعنی اگر ہر حال میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کو نگاہ رکھو تو بہت بڑی کامیابی کو پہنچ گئے۔

مختصر یہ کہ ہر حال قول و فعل میں اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو پیش نظر رکھو ورنہ شیطان لعین فوراً ایسے شرکیہ عقائد دل کے سامنے مزیّن کر کے دکھا دے گا کہ آدمی سمجھے گا کہ شاید میں کوئی بڑی معرفت بیان کر رہا ہوں۔ حالانکہ وہ زندقہ و الحاد ہو گا عیسائیوں کی گمراہی کا سبب بھی تو یہی ہوا کہ انہوں نے عیسٰیؑ ایں خدا اور خدا ایں عیسٰیؑ ایک میں تین، تین میں ایک کا ایسا چکر چلایا کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور پھر پوپ کو ایسا

روح اللہ میں فنا کیا کہ الٰہی اقتدار اس میں تسلیم کر لیا جسے چاہے بخش دے ، جسے چاہے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے ۔

ایک دفعہ ایک دوست نے ایک ایسے نقشبندی خلیفہ کو جو بینک کی ملازمت بھی کرتے تھے کہا کہ بھائی یہ روزی تو علماء کرام نے حرام فرمائی ہے ، تو جھٹ کہنے لگے کہ مجھے میرے پیر نے اجازت دے دی ہے اور کوئی کہتا ہے میرے پیر نے میرے گناہ بخش دیئے ہیں ۔ خدا را غور کرو آخر اللہ احکم الحاکمین کے ہاں پیش ہونا ہے ۔

دوستو! اس گزارش پر کلام ختم کرتا ہوں کہ خبردار رہو ۔ فقیر قرآن و سنت کے خلاف ہر قول و فعل کو حرام سمجھتا ہے ۔ کوئی ایسا عقیدہ جو تم نے اپنے دلوں میں قرآن و سنت کے خلاف میرے متعلق قائم کر لیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ۔

میں اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں اور محمد رسول اللہ کا تابعدار ہوں اور انہی کی اطاعت کی طرف بلانے والا ہوں ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

*

# خطبۂ صدارت

سالانہ عرس رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۷۳ء

✳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۙ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ؕ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰۤی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝

روزِ قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں اور اس جان کی جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو ہرگز جمع نہ فرمائیں گے۔ کیوں نہیں ہم تو اس بات پہ بھی قادر ہیں کہ اس کے پوریوں تک کو درست بنا دیں۔ بلکہ انسان چاہتا یہ ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتا رہے۔

ان آیات کو اپنے بیان کا عنوان بنانے کا سبب یہ ہے کہ یہ فقیر کچھ عرصہ سے محسوس کر رہا ہے کہ ہمارے اعمال میں فساد اور اخلاق میں بگاڑ کی اصل وجہ ایمان کا ضعف اور اجزائے ایمانی سے بے خبری ہے [illegible] مرض میں گرفتار رہتا ہے ایمانیات میں سے

یوم آخرت، قیامت، بعث بعد الموت اور جزا و سزا کا عقیدہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو انسان کے افکار و اعمال اور اخلاق پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتا ہے جب اسے یہ معلوم و یقین ہو کہ وہ اس دنیا میں اپنی مرضی کی زندگی بسر کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور مالک یوم الدین کے حضور حاضر کیا جائے گا اور اسے تمام اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی اور جزا و سزا سے دوچار ہونا ہوگا تو پھر وہ کبھی اپنے آپ کو بے لگام حیوان نہیں سمجھ سکتا کہ اس دنیا کو اپنی خواہشات کی آماجگاہ سمجھ کر جو جی چاہے کرتا پھرے۔ پھر تو قدم قدم پھونک پھونک کر رکھے گا۔ اور ہر بات سوچ سمجھ کر کہے گا یہی وجہ ہے کہ نفس انسانی کو اس عقیدہ سے مفر ہے اور اسی نفس کی بیماری کی ان آیات میں نشاندہی کی گئی ہے۔
بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۔ بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ انسان قیامت کے عقیدہ کو صرف اس لیے ٹالتا رہتا ہے کہ وہ چاہتا یہ ہے کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی بے خوف و خطر فسق و فجور کرتا رہے اور بے نتھے سانڈھ کی طرح عیاشیاں کرتا رہے اسکی من مانی کاروائیوں اور ظلم و جور پہ کوئی قدغن نہ لگے۔ جس طرح احکام شریعت نفس کے لیے شاق ہیں اور ان سے اسکا تزکیہ مقصود ہے اسی طرح عقائد اسلامیہ بھی نفس پہ گراں ہیں اور یہ اس کے ناک میں نکیل کی طرح ہیں۔ جس طرح یہ مسلّمہ بات ہے کہ اعمال کی جزا کے لیے ایمان شرط ہے اسی طرح یہ بات بھی آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ جزائے اعمال ایمان کے قوی و ضعیف ہونے کے اندازے پر ہوگی۔ لہذا عقائد کا درست کرنا اور انکا مضبوط کرنا بنیادی ضرورت ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکاتیب میں اس بات کی صراحت فرماتے ہیں "کہ سیر و سلوک سے ہماری مراد یہ ہے کہ ایمان، تقلیدی و استدلالی تنگیوں سے نکل کر شہودی ہو جائے" اور نیز فرمایا "کہ قرب خداوندی ایمان کے اندازے پر ہے" لہذا ایمان کا قوی ہونا قرب میں زیادتی کا سبب ہے حضرات نقشبندیہ شکر اللہ سعیہم کے ۔۔۔ قرب خداوندی پہ ہے جو

تمام کمالات مثل احوال و مواجید اور کشف و کرامات سے افضل ہے اس مختصر تمہید کے بعد آیات کی تشریح سنیئے بعض حضرات اسکا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ لَآ اُقۡسِمُ نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ جیسے پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی جس کی لا سے تردید کی گئی ہے اور وہ بات قیامت اور بعث بعد الموت کے بارے میں تھی اور کفار اس سے انکار کر رہے تھے اور اس کو محال خیال کر رہے تھے چنانچہ فرمایا گیا کہ نہیں یعنی واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم خیال کر رہے ہو بلکہ میں قیامت کے دن کی ہی قسم یاد فرماتا ہوں۔ یعنی جس طرح کسی شکی مزاج انسان کو جسے اپنے موجود ہونے ہی میں شک ہو رہا ہو۔ یوں کہا جائے کہ تمہاری جان کی قسم تم موجود ہو یعنی تمہارا وجود خود تمہارے موجود ہونے کی دلیل ہے قیامت کو یوم القیامت کہنے میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ وہ ایک دن ہے کھڑے ہونے کا اس گردش ایام کی دنیا میں تم اس دن کا کیسے انکار کرتے ہو جبکہ ایک دن کے بعد دوسرا دن آتا تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو۔

وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ۔ اور نہیں میں قسم یاد فرماتا ہوں نفس ملامت کرنے والے کی۔ یہ ہے انسان کے اندر قیامت کی دلیل۔ اور یہ وہی چیز ہے جسے ہم اپنی زبان میں ضمیر کہتے ہیں۔ وہ انسان کو خود اس کے بعض اعمال پر ملامت کرتا اور بعض سے خوش ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک نرا حیوان نہیں بلکہ ایک ایسا اخلاقی وجود ہے جس کی فطرت میں خیر و شر، نیک و بد اور صحیح و غلط کا امتیاز موجود ہے۔ ڈھیٹ سے ڈھیٹ بدکار بھی جب بدی کرتا ہے تو اسکا ضمیر اسے ضرور ملامت کرتا ہے اسی حقیقت کو ایک حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یوں ظاہر فرمایا گیا:۔

استفت قَلۡبَكَ وَاسۡتَفۡتِ نَفۡسَكَ اَلۡبِرُّ مَا اطۡمَاَنَّ اِلَيۡهِ الۡقَلۡبُ وَاطۡمَاَنَّتۡ اِلَيۡهِ النَّفۡسُ وَالۡاِثۡمُ مَا حَاكَ فِي الۡقَلۡبِ وَتَرَدَّدَ فِي النَّفۡسِ وَاِنۡ اَفۡتَاكَ النَّاسُ

"اپنے دل سے پوچھا کرو اور اپنے نفس سے فتوٰی لیا کرو کہ نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں طمانیت پیدا ہو، اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور نفس کو ادھیڑ بن میں ڈالے اگرچہ لوگ تجھے اس کا کرنا جائز ہی کیوں نہ بتائیں۔"

ممکن ہے کسی کے دل میں خیال آئے کہ بعض انسان ایسے بھی ہیں کہ جن کو برائی پر ان کا ضمیر ملامت نہیں کرتا اور نیکی کرکے ان کو کوئی خوشی نہیں ہوتی تو جواب یہ ہے کہ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی گنہگار بار بار ضمیر کو دبا کر اس کو بے آواز کرے اور اسے برائی پر نفس کی ملامت کا احساس نہ ہو لیکن جونہی وہ برائی جو کہ وہ دوسروں سے کرتا تھا وہ کوئی اس کے ساتھ کرے گا تو وہ اسے ضرور ناپسند کرے گا۔ چور چوری کرتے کرتے یہاں تک تو احساس کو مردہ کر سکتا ہے کہ دوسروں کے مال چراتے وقت اس کا ضمیر بے آواز ہو کر رہ جائے لیکن جونہی اس کے گھر میں چوری ہو گی تو وہ مرنے مارنے پہ تیار ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسرے گناہوں کا حال ہے۔ حاصل کلام یہ کہ ضمیر کی آواز کو کوئی خواہ کتنا ہی دباتا چلا جائے اس قدرت کی پیدا کی ہوئی دلیلِ قیامت کو بالکل ختم نہیں کر سکتا۔ جب وہ برائی پر دوسرے کو سزا دیئے جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ خود اپنے متعلق کیوں غور نہیں کرتا۔ اسی طرح نیکی کا حال ہے کہ ہر انسان نیکی کو نیک ہی سمجھتا ہے اِلّا یہ کہ اپنے نفس کو بالکل ہی بگاڑ دے لیکن ایسے بے مہر انسان کے ساتھ بھی جب کوئی آڑے وقت میں بھلائی کا سلوک کرتا ہے تو وہ ضرور متاثر ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس بھلائی کرنے والے کو ضرور اجر ملے۔ اسی بات کو قرآن مجید کی سورہ الشمس میں یوں فرمایا گیا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

قسم ہے نفسِ انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو برابر کیا پھر اس کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کو پاک رکھا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔

یعنی نفسِ انسانی میں یہ برائی اور اچھائی کی تمیز ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے تو پھر جزا و سزا کے عقیدہ کو کیوں نہیں مانتے۔ اسی چیز کو "سورہ التین" میں یوں بیان فرمایا کہ دو پھلوں کی قسم یاد فرمائی کہ وہ بہترین پھلوں سے ہیں تو جس کے لیے یہ پیدا کئے گئے وہ کیسا افضل ہو گا۔ اور پھر دو مقاموں کی قسم جن سے مراد طور سینا پر وحی کئے جانے والے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام اور بلد الامین مکہ مکرمہ میں وحی کیے جانے والے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں جو انسان کے احسن تقویم ہونے پر دلیل ہیں یعنی یہ وہ مخلوق ہے جس میں ایسے ایسے مقدس وجود جو مہبط وحی ہیں موجود ہیں اور پھر اسی مخلوق میں بعض اسفل السافلین ہیں تو کیا تمہاری عقل یہ مانتی ہے کہ ان سب انسانوں کے ساتھ ایک سا معاملہ ہو۔ جب ایسا فیصلہ کسی کی بھی عقل نہیں مانتی تو فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۔ پس اب کونسی چیز تجھے جزا و سزا کے معاملہ میں جھٹلاتی ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ جب تم دنیا کے حاکموں سے نیکی پہ جزا اور برائی پر سزا کے اُمیدوار ہو تو وہ تو احکم الحاکمین ہے وہ کیوں نہ جزا و سزا دے

جب جزا و سزا ضروری ہے تو اس کے لیے قیامت بھی ضروری ہے جب تک یہ دار العمل اسی حالت پر ہے کسی انسان کی نیکیاں اور بُرائیاں۔ حسنات و سیئات کا پورا احاطہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ نیکیوں میں سے بعض نیکیاں ایسی ہیں کہ اسکا کرنے والا فوت تو ہو جاتا ہے لیکن وہ دنیا میں ایسی نیکی کا بیج بو جاتا ہے جس کا مدتوں مخلوقِ خدا پھل کھاتی رہتی ہے ایسی باقیات الصالحات ہیں جو اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہیں۔ اور ممکن ہے اس کی نیکیوں سے قیامت تک لوگ فائدہ اٹھائیں اسی طرح کوئی انسان برائی کا بیج بو جاتا ہے کہ مخلوق خدا اس کے مر جانے کے بعد بھی اس سے دکھ اٹھاتی رہتی ہے۔

لہذا کسی کی نیکیاں اور برائیاں ٹھیک ٹھیک شمار ہی تب ہو سکتی ہیں کہ اس دنیا کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اسی کا نام قیامت ہے۔ یعنی یہ فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان کی صرف ایک زندگی ہو اور پھر پوری نوعِ انسانی بلکہ اس پورے عالمِ ہست و بود فنا طاری ہو جائے پھر اس کے بعد ایک نیا جہان ہو جس میں پوری نوعِ انسانی کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور اس کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک حساب کر کے اسے پوری پوری جزا و سزا دی جائے۔ یہ مقصد کسی اور صورت میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اعمال کا اجر اسی دنیا میں ملتا ہے تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی ساری زندگی عدل و انصاف اور راستی اور حق پرستی پہ قائم رہتا اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے تکلیفیں برداشت کرتا ہے اور فوت ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی نیکی کا اجر کیسے ملا؟ اسی طرح ایک فاسق و فاجر انسان مخلوقات کو دکھ دیتا ان کے مال و آبرو

لوٹتا ہے اور دنیا سے پھر جاتے جاتے دس بیس سو دو سو آدمی کو قتل کر کے خود مر جاتا ہے تو اس نے اس ظلم و جور کی کب سزا پائی ؟ اسی طرح تناسخ یا آواگون کا فلسفہ بھی فطرت کے اس تقاضا کو پورا نہیں کرتا کیونکہ اگر انسان اپنے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا پانے کے لیے پھر اسی دنیا میں جنم لیتا چلا جائے گا تو ہر جنم میں وہ پھر کچھ مزید ایسے اعمال کرتا چلا جائے گا جو نئے سرے سے جزا و سزا کے متقاضی ہوں گے اور اس لامتناہی سلسلے میں بجائے اس کے کہ اسکا حساب کبھی چک سکے، الٹا حساب بڑھتا چلا جائے گا اس لیے فطرت کا تقاضا صرف اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ قیامت برپا ہو۔ انسان دوبارہ زندہ کئے جائیں اور ان کا فیصلہ وہ علیم و قدیر کرے جو ہر بات کو جانے اور ہر بات پر قادر ہو۔ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ "کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے" ؟ یعنی کیا یہ انسان آج یہ گمان کرنے لگا جس کو ہم نے ایک حقیر قطرے سے اس کے سامنے کیا سے کیا بنا کر دکھا دیا اور پھر ہمارے متعلق۔ ہم نے کب کہا کہ تم خود بخود دکھڑے ہو جاؤ گے یا تمہاری ہڈیاں آپ سے آپ پھر زندہ ہو جائیں گی بلکہ ہم نے تو کہا ہے کہ ہم جمع کریں گے۔

بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ

بلکہ ہم تو قادر ہیں کہ اس کی پوروں تک کو درست کر دیں یعنی یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو پھر اسی طرح درست کر دیں گے۔ ہر انسان کی پوروں کے نشان مختلف ہوتے ہیں اسی سے انگوٹھے کے نشان پہچانے جاتے ہیں اور

بہت ممکن ہے ہمارے ہاتھ پاؤں اور جلدوں پہ ہی ہمارے اعمال نامے ریکارڈ ہو رہے ہوں۔ اور اس پہ ہاتھ پاؤں، زبانوں اور جلدوں کی گواہی دینے کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ آج کی مادی ایجادات نے ان حقائق کو ہماری عقل معاش کے قریب لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ۔ ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلیویژن جو انسان کے بنائے ہوئے ہیں یہ کام کر رہے ہیں تو جو ہم سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی شان کیا ہو گی۔ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَہٗ "بلکہ انسان چاہتا یہ ہے کہ وہ آگے بھی بداعمالیاں کرتا رہے"۔ اس چھوٹے سے فقرے میں قیامت، بعث بعد الموت اور جزا و سزا کے عقیدہ کو نہ ماننے والوں کی اصل مرض کی صاف صاف تشخیص کر دی گئی ہے۔ ان لوگوں کو جو چیز آخرت کے انکار پر آمادہ کرتی ہے وہ دراصل یہ نہیں کہ فی الواقع وہ قیامت اور آخرت کو ناممکن سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے اس انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ آخرت کو ماننے سے لازماً ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد ہوتی ہیں اور یہ پابندیاں انکو ناگوار ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ اب تک بے نتھے بیل کی طرح زمین پر پھرتے رہے ہیں اسی طرح آئندہ بھی پھرتے رہیں۔ جو ظلم جو بے ایمانیاں۔ جو فسق و فجور اور جو بدکاریاں وہ اب تک کرتے رہیں آئندہ بھی ان کو اس کی کھلی چھٹی مل رہے اور یہ خیال کبھی ان کو یہ ناروا آزادیاں برتنے سے نہ روکنے پائے کہ ایک دن انہیں اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر ان اعمال کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اس لیے دراصل ان کی عقل انہیں آخرت پہ ایمان لانے سے نہیں روک رہی ہے بلکہ اسکی خواہشات نفس اس میں مانع ہو رہی ہیں۔

اللہ جو بے نیاز ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔ "وہ جو کرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں" کی شان کا مالک ہے وہ تو کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ "اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا فرض کر لیا ہے" گو یہ از راہ فضل ہی سہی لیکن ہے تو سہی۔ لیکن انسان بندہ اور مخلوق ہو کر اپنے اوپر کوئی قدغن نہ برداشت کرے وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ حالانکہ وہ پوچھے جائیں گے۔

آیئے ہم اپنے آپ کو اس فسق و فجور اور خواہشات پرستی کی ظلمت سے نکالیں اسی نے ہمیں آخرت سے غافل کر دیا ہے۔ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ "حرص و ہوس کی بہتات چاہنے تم کو غافل کر دیا یہاں کہ تم قبریں جا دیکھو۔" پھر کیا فائدہ؟

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۱۲

# خطبۂ صدارت

## سالانہ عرس رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

بتاریخ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز اتوار

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین وعلیٰ اٰلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ اجمعین

اَمّا بعد

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ج وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۞

بیشک جو قائل ہو گئے اس کے کہ رب ہمارا اللہ ہی ہے پھر اس پر قائم ہی
رہے ۔ ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور
بشارت لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ۔ ہم تمہارے مددگار ساتھی
ہیں دنیا کی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ اور تمہارے لیے ہے اس جنت
جو تمہارے نفس خواہش کریں اور تمہارے لیے ہے اس میں جو تم مانگو ۔ مہمانی
ہے بخشنے والے مہربان کی ۔

اللہ عزوجل نے ان آیات مبارکہ میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے
اس کے رب ہونے کو دل سے تسلیم لیں اور پھر موت تک اس پر قائم رہیں
ثُمَّ کا لفظ یہاں یہ فائدہ دے رہا ہے کہ جب اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر
لیں تو پھر ان پر جو بھی حالات آئیں جو بھی مشکلات آئیں ۔ ظاہر و باطن میں
اس دعوے پر ڈٹے رہیں ۔ گویا قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ کے عقیدے کو پلے
کے بعد ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کے عمل و مجاہدہ میں ایسے قائم رہیں کہ پھر ڈانواں ڈول
نہ ہوں ۔

اللہ کو رب ماننے کا مفہوم ایسا وسیع ہے کہ اللہ کی تمام صفات کو ماننا
اسی میں آجاتا ہے ۔ بلکہ فقیر تو اکثر کہا کرتا ہے کہ "رب ہی سب ہے ۔" یہ
آپ نے سنا ہوگا کہ "جسکا رب اسکا سب" جو ترجمہ ہے "مَنْ لَّهُ الْمَوْلٰى
فَلَهُ الْكُلُّ" کا ۔ لیکن اس کو اس طرح بھی سمجھیئے "جو رب ہے وہی سب
...ہے ۔ اسی ... عالم علی الاطلاق وہی ذات ہے ۔ ...

بھروسہ کیا جائے وہی معبود و مستعان ہے۔ وہی خالق و مالک ہے۔ دنیا میں بھی حکم اسی کا ہے اور آخرت میں بھی فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے اس کا حکم سب پہ نافذ ہے لیکن اس پر حکم کسی کا نہیں چلتا۔ اسی کی تسبیح و تقدیس کی جائے رب ہی ہدایت دینے والا ہے۔ رب ہی کے لیے نماز پڑھی جائے۔ اسی کے لیے قربانی کی جائے۔ اُسی کے لیے جیا جائے اور اُسی کے لیے مرا جائے۔ فرمانبرداری اُسی کی ہو۔ اُسی کی خوشنودی کا طالب ہوا جائے اُسی کی ناراضگی سے ڈرا جائے۔ جن کو وہ چاہے ان کو چاہا جائے جن کو وہ نہ چاہے ان کو نہ چاہا جائے یہ اور تمام مفاہیم جو قرآن نے بیان فرمائے ہیں سمجھ کر ماننا رب کو ماننا ہے۔

یہ فقیر اس بات کو اس طرح بھی بیان کیا کرتا ہے کہ جیسے کسی کو اَب یعنی اَب کہنے میں سب کچھ ہے۔ یعنی وہی اس کی والدہ کا مالک ہے اس کی والدہ اس کی بیوی بھی ہے وہ اس کی اصل اور یہ اسکی نسل ہے وغیرہ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اب تو ہو لیکن اس کی والدہ کا مالک نہ ہو۔ اب تو ہو لیکن اسکی اصل نہ ہو۔ وہ اب تو ہو لیکن یہ اسکا بیٹا نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ رب تو ہو

---

بخوف طوالتِ مضمون ان معانی پر قرآن مجید کی آیات نقل کرنے کی بجائے صرف حوالہ دینے پر اکتفا کیا گیا ہے سورۃ الفاتحہ۔ سورۃ بقرۃ آیۃ ۲۱۔ سورۃ الاعراف آیۃ ۵۴۔ سورۃ انعام آیۃ ۱۶۱۔۱۶۲۔۱۶۳۔ سورۃ الرعد آیۃ ۳۰۔ سورۃ الشعراء آیۃ ۲۱ تا ۲۹۔ سورۃ الصفت آیۃ ۱۸۰۔۱۸۱۔۱۸۲۔ سورۃ توبہ آیۃ ۳۱۔ سورۃ المومن آیۃ ۶۴۔۶۵۔۶۶۔ سورۃ الواقعہ آیۃ ۷۴ تا ۹۶۔ سورۃ الاعلیٰ آیۃ ۱۔ قرآن میں جہاں بھی لفظ رب العالمین آئے اس پر غور کریں۔

لیکن معبود نہ ہو۔ رب تو ہو اور مستعان نہ ہو۔ رب تو ہو لیکن حاکم علی الاطلاق نہ ہو۔ رب تو ہو لیکن فریادرس نہ ہو۔ جو رب ہے وہی سب ہے۔

عالم اسباب میں مومن کیلئے یہ بہت بڑی آزمائش ہے کیونکہ رب العالمین کی ذات پاک غیب الغیب ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا نظر آتا ہے۔ اسباب و واسطہ سے ہوتا ہے جن میں بندہ کا دل خواہ مخواہ اٹک اٹک کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے ہدایت کے واسطے سب سے پہلا جملہ الحمد للہ رب العالمین ہونا نہایت موزوں ہے۔ تاکہ بندہ کی نظر سب سے گزر کر رب العالمین تک پہنچ جائے اسی لیے بہترین شکر یہی جملہ فرمایا گیا اور جنت میں بھی جنتیوں کا آخری بول یہی ہو گا۔ عام لوگوں کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اسباب میں پھنس کر مسبب کو نہ بھول جائیں۔ اور خاص لوگوں کے لیے یہ ہے کہ وہ مسبب کے حکم و رضا کے خلاف کوئی کام نہ کریں اور خاص الخاص لوگوں کیلئے ہے کہ ان کی نظر سے حجاب سبب ہی رفع ہو جائے۔

خبردار رہنا چاہیئے کہ رب کی صفات کو کسی اور میں خیال کرنے سے بھی انسان مستقیم الحال لوگوں میں سے نہیں رہتا اگرچہ زبان سے کسی اور کے رب ہونے کا اظہار نہ کرے مثلاً کسی نے اپنی دکان، زمین، کارخانہ یا کسی رشتہ دار حاکم سے ایسا دل لگایا۔ جیسا رب العالمین سے ہونا چاہیے یا ان پر بھروسہ رکھا ان کی خوشنودی یا خوف میں کوئی ایسا کام کیا، جو رب العالمین کے حکم کے خلاف ہے تو اس نے اللہ کے رب ہونے سے انکار کیا۔

حدیث شریف میں استقامت کی بابت تصریح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبا

مبارک سے فرمائی گئی وہ یہ ہے قد قالہا الناس ثم کفر اکثرہم فمن مات علیہا فہو ممن استقام۔ بہت سے لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے ثابت قدم وہ شخص ہے جو مرتے دم تک اسی پر قائم رہا۔

دوستو! یہ استقامت بڑی نعمت ہے یہ کرامت سے افضل ہے کیونکہ سب کرامتیں اسی پر متفرع ہیں۔

جوں جوں اسباب کی دید کم ہوتی جائے گی۔ روحانیت کے نزول کا زیادہ اہل ہوتا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں

اس نزول ملائکہ کے متعلق بعض مفسرین کا قول تو یہ ہے کہ وہ موت کے وقت یا موت کے بعد قبر میں یا قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے کے وقت فرشتے اترتے ہیں اور ان کو کہتے اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ٥

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فرشتے زندگی میں بھی ان پر اترتے ہیں۔ ان کے دلوں میں عبادت کا شوق۔ آخرت کی رغبت۔ مصائب پہ صبر القا کرتے ہیں ملائکہ کا یہ تنزل ان کے لیے شرح صدر اور تسکین و اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ رقت کا طاری ہونا۔ خوف خدا سے رونگٹوں کا کھڑے ہو جانا فرشتوں کے مس کا نشان بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ پوشیدہ طور پہ ہوتا ہے موت کے وقت یا بعد ملائکہ کا ظاہری نزول تو مسلم ہے۔ لیکن خاص بندوں

کے لیے ملائکہ کا ظاہر ہوتا اور بشارات سنانا دنیا کی زندگی میں بھی جائز ہے۔
جن حالات میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ مفہوم اور زیادہ
واضح ہو جاتا ہے کیونکہ کفر کی سخت مزاحمت کے دور میں یہ آیات نازل ہوئیں
یہ فرما کر کہ جو اللہ کو رب مان کر اس پر قائم رہتے ہیں وہ حقیقت میں بے یار و مددگار
نہیں بلکہ وہ روحانی اور نورانی مخلوق کے نزول و ظہور کی منزل و مظہر ہیں جیسے
کہ ان آیات سے قبل فرمایا گیا تھا کہ شیاطین کفار پر مسلط ہیں جو برائیوں کو
ان کی نظر میں مزین کر کے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

سورۂ شعراء میں تو شیاطین کے لیے لفظ "تنزل" بھی استعمال ہوا
ہے۔ تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ
وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝

"کہ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں جو بات کو ایک دوسرے کی
طرف ڈالتے ہیں اور اکثر ان میں کے جھوٹے ہیں۔"

بہر حال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقدیر پہ
اگلی آیتہ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا "کہ ہم دنیا میں
بھی تمہارے رفیق۔ ساتھی۔ مددگار ہیں" اور زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔
وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا
تَدَّعُوْنَ ۝

" اور اس جنت میں تمہارے لیے ہے جو کچھ تمہارے نفس چاہیں اور اس میں
جو مانگو ملے گا۔" نفسوں کو دنیا میں اللہ کے حکم کے تابع رکھا لہذا آج تمہاری

ہر خواہش اور بات مانی جائے گی۔ دنیا کی چند روزہ زندگی میں خواہشات پر صبر ہمیشہ ہمیشہ کی عیش کا سبب ہو گا۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ "یہ مہمانی ہے غفور و رحیم کی۔"

سبحان اللہ بندہ ضعیف کے لیے یہ کتنی بڑی عزت و توقیر ہے کہ وہ رب العزت کا مہمان ہو۔ اللہ تعالٰے ہم سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے آمین۔